الحسینؓ

حضرت امام حسینؓ بن علیؓ

زندگی اور شہادت

قتل حسین اصل میں مرگ یزید ہے
اسلام زندہ ہوتا ہے ہر کربلا کے بعد
(مولانا محمد علی جوہر)

شاہ است حسینؓ بادشاہ است حسینؓ
دین است حسینؓ دین پناہ است حسینؓ
سردا نداد در دست یزید
حقا کہ بنائے لا الہ است حسینؓ
(خواجہ معین الدین چشتی)

انسان کو بیدار تو ہو لینے دو
ہر قوم پکارے گی ہمارے ہیں حسین
(جوش)

جس نے زیرِ تیغ بھی سجدہ کیا اس پر سلام
جس نے مقتل کو مصلیٰ کر دیا اس پر سلام

عشق کا فرض کچھ اس طرح ادا ہوتا ہے
ہر نفس معرکۂ کرب و بلا ہوتا ہے

زاہدوں کی یہ نمازیں بھی بجا ہیں لیکن
سجدۂ عشق تہہ تیغ ادا ہوتا ہے

اے کربلا کی خاک اس احسان کو نہ بھول
تڑپی ہے تجھ پہ لاش نواسۂ رسول ﷺ کی
(جگر گوشہ بتول)

غریب و سادہ و رنگین ہے داستان حرم
نہایت اس کی حسین ابتداء ہے اسماعیلؑ

الحسینؓ

عمر ابو النصر

ترجمہ: محمد احمد پانی پتی

الحجاز پبلی کیشنز

27۔ایف گلشن راوی لاہور 7460260

سالِ اشاعت : دسمبر ۲۰۰۷ء

ناشر : سرفراز احمد

اہتمام : شکیل احمد

مطبع : گنج شکر پریس، لاہور

قیمت : ۱۲۰/- روپے

ISBN:978-969-8208-84-4

فہرست

بسم اللہ الرحمن الرحیم
مسلمان کی تعریف یہ ہے کہ اس کی زبان اور اس کے ہاتھ سے مسلمانوں کو تکلیف نہ پہنچے
حدیث نبوی
المسلم من سلم المسلمون من لسانہ ویدہ

پیش لفظ

مؤرخ کا فرض ہے کہ وہ تاریخی واقعات و حالات بیان کرتے ہوئے جانب داری اور طرف داری سے کام نہ لے بلکہ پوری دیانت داری اور انصاف سے معاملے کے ہر پہلو پر روشنی ڈالے لیکن افسوس، ایسا بہت کم ہوتا ہے جب ہم تاریخ لکھنے بیٹھتے ہیں تو پیش آمد واقعات کو اپنے خیالات، اپنے معتقدات اور اپنے عقائد کی عینک سے دیکھتے ہیں اور اُنھیں کے مطابق اُن پر حکم لگاتے ہیں، ایک فریق کو معصوم اور دوسرے کو مردود قرار دیتے ہیں اور کتاب کے آخر تک ہمارا روّیہ یہی رہتا ہے۔ ظاہر ہے کہ صداقت پسند اور منصف مزاج حضرات کا طریقہ یہ نہ ہونا چاہیے۔

انصاف و عدل کی صورت اختیار کرنے میں ایک بڑی مشکل اور روک یہ آ پڑتی ہے۔ کہ مصنف کی طرح ناظرین بھی کسی ایک خیال کے پیرو ہوتے ہیں اور جب وہ کسی کتاب میں اپنے ممدوح کے خلاف کچھ لکھا ہوا دیکھتے ہیں تو خواہ کتنی ہی غیر جانب داری سے لکھا گیا ہو، اُنھیں پسند نہیں آتا اور مورخ غریب کو برا بھلا کہنے اور اُس کی نیت پر حملہ کرنے لگتے ہیں۔

یہ صورت حال اُس وقت اور بھی زیادہ نازک ہوتی ہے۔ جب معاملہ عام تاریخ سے گزر کر مذہب کی حدود میں داخل ہو جاتا ہے جب ہم کسی مصنف کو کسی ایسی محترم ہستی پر نکتہ چینی کرتے دیکھتے ہیں جس کا تقدس مذہبی حیثیت کا ہو تو بغیر ایک لمحہ توقف کے ہم مصنف کو کشتنی اور گردن زدنی قرار دیتے ہوئے کتاب اٹھا کر پھینک دیتے ہیں اور حقارت و

نفرت کے جذبات مصنف کی طرف سے ہمارے دل میں جوش مارنے لگتے ہیں۔ایسی حالت میں مصنف کا عذرات اور تاویلات پیش کرنا، انصاف اور صداقت کا واسطہ دلانا، غور وفکر کی دعوت دینا بے نتیجہ اور بے فائدہ ہوتا ہے۔ اُس کا کوئی عذر نہیں سنا جاتا۔اُس کی کوئی تاویل قبول نہیں کی جاتی اور اُس کی کسی بات پر غور نہیں کیا جاتا بلکہ اُسے بلاتوقف، بغیر کسی معقول دلیل کے دشمن، بدنیت اور متعصب سمجھ لیا جاتا ہے۔اس ذہنیت کی موجودگی میں سیدھی، صاف اور سچی بات کہنی ظاہر ہے کہ کس قدر مشکل ہے، اور کس طرح کسی مصنف کو اتنی جرات ہوسکتی ہے۔کہ سچی اور منصفانہ بات کہہ کر وہ دنیا جہان میں اپنے کو نکو بنائے؟ سیکڑوں نہیں ہزاروں تاریخی واقعات پر اس طرح تاریکی کا پردہ پڑا ہوا ہے کہ عوام کی مخالفت کے ڈر سے مصنف حق کی بات نہیں کہہ سکے اور جن مصنفین نے یہ جرات کی وہ فرقہ پرست اور تعصب کے دیوتا کہلائے۔

کچھ ایسی ہی مشکل اس کتابچے میں پیش آ گئی ہے۔اور ہر اُس کتاب میں پیش آ جانی چاہیے جس میں حضرت علی کرم اللہ وجہ اور امیر معاویہؓ یا حضرت حسینؓ اور یزید کا ذکر کیا جائے۔یہ ظاہر ہے کہ سنی حضرت علی کرم اللہ وجہ کا بھی احترام کرتے ہیں اور امیر معاویہؓ کو بھی اچھا سمجھتے ہیں، لیکن سنّی حضرات حضرت حسینؓ کو اگرچہ بہت معزز سمجھتے ہیں لیکن انھیں مذہبا نبیوں کی طرح معصوم نہیں مانتے۔پھر بہت سے سنّی ایسے بھی ہیں جو یزید کو بُرا سمجھنے کے باوجود حادثہ کربلا میں اُس کا زیادہ قصور نہیں بتاتے بلکہ اس سانحے کی زیادہ تر ذمہ داری ابن زیادہ اور شمر پر ڈالتے ہیں۔دوسری طرف شیعہ حضرات کا یہ مذہبی عقیدہ ہے کہ واقعہ کربلا کی سوفی صد ذمہ داری یزید کی گردن پر ہے اور ابنِ زیاد نے جو کچھ کیا حکم یزید کی تعمیل میں اور اُس کے منشا کے عین مطابق کیا۔

یہاں پہنچ کر مصنف اُسی کشمکش میں پھنس جاتا ہے جس کا ذکر اُوپر ہوا۔یعنی حق بات کہے تو ایک فریق کے لعن طعن کا مورد بنے، اپنے ضمیر کو دبا کر صرف واقعات بیان

کرنے پر اکتفا کرے تو دوسرے فریق کے سب وشتم کا نشانہ بنے۔

گویم مشکل وگرنہ گویم مشکل

اس کتاب کا مصنف عمر ابوالنصر اُن لوگوں میں سے ہے جو اگرچہ امیر معاویہؓ کو اچھا نہیں کہتے مگر یزید کو تمام واقعات کا پورا ذمہ دار بھی نہیں سمجھتے۔ ابوالنصر اسی امر کو اپنی حق گوئی اور انصاف پسندی کی دلیل سمجھتا ہے کہ جو شخص حقائق کی روشنی میں اُس کے خیال میں جیسا آیا اُس نے ویسا ہی اُسے بیان کر دیا۔

مترجم کتاب پر یہ فرض عائد نہیں ہوتا کہ عمر ابوالنصر کے خیالات پر تبصرہ اور محاکمہ کرے کیونکہ اس سے مخالفت اور منافرت پھیلنے کا اندیشہ ہے جس سے بچنے اور الگ رہنے کی انتہائی سعی کی گئی ہے۔ اس لیے ترجمہ کرتے وقت نہایت احتیاط سے مصنف کے خیالات اردو خواں اصحاب تک پہنچا دیئے گئے ہیں۔ اُن پر کوئی رائے زنی بالکل نہیں کی گئی۔ یہ کام ناظرین کرام پر (جن میں سنّی اور شعیہ دونوں حضرات شریک ہیں) چھوڑا جاتا ہے۔ لیکن یہ عرض کر دینا ضروری ہے کہ حضرت حسینؓ کی یہ سب سے پہلی سوانح عمری ہے جو پوری جامعیت اور تفصیل سے اُردو میں منتقل کی گئی ہے۔ مصنف کے بعض خیالات سے بے شک آپ کو اختلاف ہو لیکن یہ حقیقت ہے کہ جو کچھ اُس نے لکھا ہے بدنیتی سے نہیں لکھا بلکہ جس بات کا اُسے یقین ہے اُسے دیانت داری سے ظاہر کر دیا ہے۔

شیخ محمد اسمٰعیل پانی پتی

عرضِ مؤلّف

یہ تمہید لکھنے سے پہلے میں نے دیر تک اس امر پر غور کیا کہ آیا میں کتاب کے موضوعات اور طریقہ تالیف پر تفصیل سے روشنی ڈالوں یا نہیں۔ آخر یہی فیصلہ کیا کہ تمہید تفصیل وتشریح سے کام نہ لوں بلکہ قارئین کو موقع دوں کہ وہ اصل کتاب پڑھیں اور حضرت حسینؓ کے حالات زندگی سے جو سبق حاصل ہوتے ہیں ان پر عمل پیرا ہونے کی کوشش کریں۔

اگر میں تمہید میں تفصیل سے کام لیتا تو اس کا لازم نتیجہ یہ ہوتا کہ مجھے قدیم مؤلفین ومصنفین پر بحث وتنقید کرنی پڑتی اور بتانا پڑتا کہ ان مصنفین اور مؤلفین نے اپنی تالیفات کو کس طرح ترتیب دیا ہے اور حضرت حسینؓ کی دردناک شہادت کے متعلق اُنہوں نے کن خیالات کا اظہار کیا ہے لیکن یہ کام آسان نہ تھا۔ ہر مؤلف اور مصنف نے اس بارے میں اپنے لیے علیحدہ راستہ تلاش کیا ہے۔ اور اپنے اپنے عقیدہ ومذہب کے مطابق حضرت حسینؓ کے حالات زندگی بیان کر کے واقعہ شہادت کے اسباب پر روشنی ڈالی ہے۔ ان میں سے بعض نے واقعی اعتدال پسندی سے کام لیا ہے لیکن بعض افراط اور تفریط کی طرف بھی چلے گئے ہیں۔ اگر میں ان سب کتابوں پر بحث وتنقید کرنے بیٹھ جاتا تو جس مقصد کے لیے یہ کتاب تالیف کی گئی ہے وہ فوت ہو جاتا اور غیر ضروری مباحث میں اُلجھ کر رہ جاتا جو بے نتیجہ بھی ہوتے اور شاید بعض طبائع کے خلاف بھی۔

حضرت حسینؓ سے خلافت یزید کی مخالفت اور کوفہ کی جانب آپؓ کا سفر ایسے

واقعات نہیں جو یکا یک ظہور میں آ گئے بلکہ یہ امور واقعات کی ایک لمبی کڑی کا ایک حصّہ ہیں جن کا اختتام آپؓ کی شہادت پر ہوا۔اسی لیے میں نے مناسب سمجھا کہ حضرت حسینؓ کے اصل حالات شروع کرنے سے پیشتر اُن اسباب کا مختصر سا تذکرہ کردوں جو امیر معاویہؓ کی قوت طاقت کا موجب بنے اور جن کی وجہ سے اُنہیں یہ جرات ہوئی کہ اپنی زندگی ہی میں یزید کو اپنے بعد خلافت کے لیے نامزد کر کے اعیان مملکت سے اُس کے لیے بیعت لے لی۔ میں نے اس تسلسل میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے حالات زندگی کا بھی مختصر سا بیان درج کتاب کر دیا ہے تا کہ قارئین اس تصادم کے عوامل معلوم کر سکیں جو حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور امیر معاویہؓ کے درمیان رونما ہوا، جس کا لازم نتیجہ یہ تھا کہ دونوں کی اولاد میں بھی ایک دوسرے کے خلاف جذبات پیدا ہوئے اور بیٹوں کے درمیان بھی اسی شدت سے جھگڑے پیدا ہوئے جس شدت سے والدین کے درمیان ہوئے تھے۔ان جذبات کا عام مسلمانوں پر بھی انتہائی دوررس اور گہرا اثر پڑا۔

میں نے اس امر کی پوری کوشش کی ہے کہ وہی واقعات درج کروں جن کی تائید ثقہ بند مورخین اور مشہور و معروف مؤلفین نے کی ہے اور اُنہیں اپنی کتابوں میں بیان کیا ہے اللہ کرے میں اپنی کوشش میں کامیاب رہوں۔

عمر ابوالنصر

☆......☆......☆

بسم اللہ الرحمن الرحیم

خلافت پر اہل بیتؓ کا دعویٰ

حضرت حسینؓ کی شہادت شاید سب سے بڑا سبب ہے جس کے باعث شیعیت نے ایک زبردست حیثیت حاصل کر لی اور شعیہ بالآخر مسلمانوں کا عظیم الشان فرقہ بن گئے۔

یورپی مستشرقین بھی اس نظریے کی تائید کرتے ہیں۔ ان میں سے بعض تو اس حد تک بڑھ گئے ہیں کہ انھوں نے یہ کہنا شروع کر دیا۔ اگر حضرت حسینؓ کی شہادت کا واقعہ پیش نہ آتا تو آج شیعہ فرقے کا وجود بھی نہ ہوتا۔ لیکن یہ کہنا صحیح نہیں کیونکہ شیعیت کی بنیاد اُسی وقت پڑ چکی تھی جب رسول اللہ ﷺ کی وفات کے معاً بعد حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی خلافت کا نظریہ پیش کیا گیا تھا۔ یہ نظریہ کہ خلافت صرف اہل بیتؓ کا حق ہے اور اُن کا حق انھیں کو ملنا چاہیے برابر زور پکڑتا رہا یہاں تک کہ حضرت حسینؓ کی شہادت کا جاں گداز واقعہ پیش آیا۔ البتہ اس میں کوئی شک نہیں کہ آپؓ کی شہادت سے اس نظریے کو پھلنے پھولنے، پروان چڑھنے اور شدت اختیار کرنے میں بڑی مدد ملی۔

رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد مسلمانوں کو سب سے پہلے جس مسئلے کا سامنا کرنا پڑا وہ خلافت کا مسئلہ تھا۔ یہ مسئلہ بالاتفاق حل نہ ہو سکا بلکہ مختلف طبقات کے درمیان اختلاف کا ایک ذریعہ بن گیا۔ ان میں ہر طبقہ اپنے آپ کو خلافت کا جائز مستحق سمجھتا تھا اور اس بارے میں دوسرے کا حق تسلیم کرنے کے لیے تیار نہ تھا۔

رسول اللہ ﷺ نے اپنی زندگی میں بطور خود کسی شخص کو اپنے بعد خلافت کے لیے نامزد نہ فرمایا تھا۔ آپ ﷺ کی وفات کے معا بعد مسلمانوں کو ایک ایسے وجود کی ضرورت کا احساس ہوا جو حکومت کا انتظام و انصرام ہاتھ میں لے سکے اور ملّتِ اسلامیہ کا شیرازہ بکھرنے نہ دے۔ خلافت کی اہمیت اور ضرورت پر تو تمام مسلمان متفق ہو گئے لیکن خلیفہ کے بارے میں اتفاق نہ ہو سکا۔ انصار کہتے تھے کہ خلیفہ اُن میں سے ہونا چاہیے۔ مہاجرین کا کہنا تھا کہ یہ حق اُنہیں ملنا چاہیے۔ بنو ہاشم کا دعویٰ تھا کہ خلافت صرف اہل بیتؓ کا حق ہے۔

انصار کی دلیل یہ تھی کہ انہوں نے نہایت آڑے وقت میں رسول اللہ ﷺ کی مدد کی اور آپ ﷺ کے ساتھ تمام غزوات میں شریک رہے یہاں تک کہ سارا ملک عرب آپؐ کا مطیع ہو گیا۔ رسول اللہ ﷺ اپنی وفات کے وقت اُن سے نہایت خوش تھے۔

انصار کے مقابلے پر مہاجرین اپنے دعوے کی تائید میں یہ دلیل پیش کرتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ پر سب سے پہلے جو لوگ ایمان لائے وہ مہاجرین ہی تھے۔ اُنہوں نے آپؐ کے ساتھ مکہ مکرمہ کے کافروں کے ہاتھوں شدید ترین مظالم برداشت کیے لیکن اُف تک نہ کی وہ تھوڑے تھے لیکن اس کے باوجود اُنہوں نے کبھی صبر کا دامن ہاتھ سے نہ جانے دیا۔ وہ رسول اللہ ﷺ کے ہم قوم اور ہم قبیلہ ہیں۔ وہ قریش میں سے ہیں۔ اہل عرب اگر مطیع ہو سکتے ہیں تو صرف اُنھیں کے سامنے اس لیے وہی خلافت کے حق دار ہیں۔

جب انصار کی طرف سے یہ تجویز پیش کی گئی کہ ایک امیر انصار میں سے ہو جائے اور ایک مہاجرین سے تو مہاجرین نے اس کی سخت مخالفت کی اور کسی طرح اس تجویز پر راضی نہ ہوئے۔ تھوڑی دیر تک سقیفہ بنی ساعدہ میں بحث و مباحثہ کا بازار گرم رہا۔ آخر حضرت ابو بکر صدیقؓ کی خلافت پر دونوں فریق متفق ہو گئے اور مہاجرین و انصار کے درمیان خلافت کا جھگڑا ہمیشہ کے لیے ختم ہو گیا۔

انصار نے تو صدق دل سے حضرت ابو بکر صدیقؓ کے آگے سر تسلیم خم کر دیا اور بالاتفاق ان کی خلافت تسلیم کر لی لیکن حضرت علی کرم اللہ وجہہ خلافت پر ان کا حق تسلیم کرنے

کے لئے اپنے آپ کو تیار نہ کر سکے۔ان کا کہنا تھا کہ خلافت صرف اہل بیت نبوی ﷺ کا حق ہے اور رسول اللہ ﷺ کا سب سے قریبی عزیز ہی مستحق ہے کہ اسے خلافت کی ذمہ داریاں تفویض کی جائیں۔خاندان بنی ہاشم خاندان ابو بکرؓ سے زیادہ معزز ہے۔اور اگر مہاجرین سقیفہ بنی ساعدہ میں بنی انصار کے سامنے اپنے دعوے کی تائید میں یہ دلیل پیش کر سکتے ہیں کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے ہم قوم اور ہم قبیلہ ہیں تو آل نبی ﷺ اور اہل بیتؓ بھی مہاجرین کے سامنے اپنے دعوے کی تائید میں یہی دلیل کیوں نہیں پیش کر سکتے؟ حضرت ابو بکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ کے عہد خلافت میں مسلمان جنگوں میں مصروف رہے۔ان کی ساری توجہ اپنے دشمنوں کو زیر کرنے پر مبذول رہی اور کسی شخص کو خلافت کے مسئلے پر غور کرنے کی مہلت نہ ملی۔

حضرت عثمانؓ کے عہد میں پہلی بار اس فتنے نے سر اٹھایا اور باغی آپؓ کے حق خلافت کو چیلنج کرنے لگے۔بالآخر یہ بغاوت آپؓ کی شہادت پر منتج ہوئی حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد خلافت حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے ہاتھ میں آئی۔اس وقت اہل بیتؓ کی خلافت کے نظریے نے زور پکڑا اور اس نظریے کے حامیوں نے کہنا شروع کیا۔

"امامت کا شمار مصالح عامہ میں سے نہیں جسے امت کی صوابدید پر چھوڑ دیا جائے اور جسے وہ منتخب کرے وہی خلیفہ بننے کا مستحق ہو بلکہ یہ دین کا ایک رکن ہے جس کے متعلق نبی کبھی غفلت سے کام نہیں لے سکتا اور نہ وہ اسے امت کے سپرد کر سکتا ہے۔نبی کے لئے یہ ضروری ہوتا ہے کہ وہ اپنی زندگی میں خلیفہ اور امام کا تعین کر جائے۔چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو اپنی زندگی ہی میں خلیفہ نامزد فرما دیا تھا۔اپنے اس دعوے کے ثبوت میں انہوں نے چند احادیث بھی پیش کیں۔

اس نظریے کے تحت حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا لقب وصی قرار دیا گیا اور وجہ تسمیہ یہ بتائی گئی کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے بعد حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی خلافت کے لئے وصیت فرمادی تھی اس لئے آپ رسول اللہ ﷺ کے وصی ٹھہرے۔

یہی نظریہ تھا جس نے مسلمانوں کو حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی شہادت کے بعد آپ کے بڑے صاحبزادے حضرت حسنؓ کی بیعت کرنے پر آمادہ کیا۔ بعد میں جب حضرت حسنؓ نے امیر معاویہؓ کے حق میں خلافت سے دست برداری کا اعلان کر دیا تو حضرت حسینؓ نے اسی نظریے کی وجہ سے یہ بات ناپسند کی۔ یہی نظریہ تھا جس کے تحت حضرت حسینؓ نے یزید کی خلافت کو تسلیم کرنے سے اِنکار کیا اور اسی نظریے کے تحت عراق کے مسلمانوں نے حضرت حسینؓ کی بیعت کی۔

امیر معاویہؓ کی وفات کے بعد اُمتِ مسلمہ تین بڑے گروہوں میں منقسم ہو گئی۔ پہلا گروہ اُن لوگوں کا تھا جو شام میں بنو اُمیہ کے گرد جمع ہو گئے تھے اور اُن کی خلافت اور سیادت کو تسلیم کر لیا تھا۔ دوسری جماعت اُن لوگوں کی تھی جو بنو ہاشم کے گرد اکٹھے ہو گئے تھے۔ اُن کے سردار حضرت حسینؓ تھے جن کا یہ دعویٰ تھا کہ خلافت کے مستحق صرف وہی ہیں۔ ان دونوں کو دین اسلام سے خارج سمجھتا تھا۔ یہ گروہ خوارج کا تھا۔ ان کا نظریہ یہ تھا کہ خلافت کسی قبیلے یا خاندان کا موروثی حق نہیں بلکہ اس کا انحصار مسلمانوں کے باہمی مشورے پر ہے مسلمان مشورہ کر کے جس شخص کو خلیفہ چن لیں وہی شخص خلافت کا مستحق ہے۔

ان تین گروہوں میں کبھی مفاہمت نہ ہو سکی اور ان کے درمیان مناقشات کا ایک لامتناہی سلسلہ جاری رہا۔ امیر معاویہؓ اور یزید کی وفات کے بعد حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کی خلافت کا مسئلہ بھی پیدا ہو گیا اور مسلمانوں کے درمیان ایک نئی خانہ جنگی شروع ہو گئی۔ یہ خانہ جنگی کچھ عرصے تک جاری رہی جس میں بالآخر امویوں کو فتح نصیب ہوئی اور حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کو شہید کر دیا گیا۔ حضرت حسینؓ کو کربلا کے میدان میں شہید کر کے اہل بیتؓ کی خلافت کا دعویٰ کرنے والوں کو بظاہر خاموش کر دیا گیا لیکن دلوں میں جو آگ سلگ رہی تھی اُسے بجھانا امویوں کے بس کی بات نہ تھی۔ بالآخر اسی آگ نے بھڑک کر بنو امیہ کی سلطنت کو تباہ کر دیا۔

حضرت حسینؓ ان لوگوں میں سے نہ تھے جو خلافت کو عزت اور وجاہت حاصل کرنے کا ذریعہ سمجھتے تھے۔ عامتہ المسلمین نے آپ کی بیعت کرنے پر اصرار کیا اور آپ نے یہ دیکھ کر کہ یزید خلافت کا ہرگز اہل نہیں، اُن کی یہ درخواست منظور کر لی۔ آپ کی بیعت کرنے میں اہل عراق اور بالخصوص اہل کوفہ پیش پیش تھے۔ انھوں نے آپ کو لکھا کہ آپ عراق تشریف لے آیئے، ہم ہر طرح آپ کی مدد کریں گے۔ اور اگر دشمن سے لڑنا بھی پڑا تو آپ کے دوش بدوش جنگ میں حصہ لیں گے۔ حضرت حسینؓ کو لکھ بھیجا کہ واقعی یہاں کے باشندے آپ کے ساتھ ہیں، آپ بلا توقف یہاں تشریف لے آئیں۔ چنانچہ حضرت حسینؓ اپنے اہل وعیال اور چند ساتھیوں کے ساتھ عراق تشریف لے آئے۔

آپ عراق جا کر اپنے مخالفوں سے جنگ چھیڑنا نہ چاہتے تھے۔ اگر آپ کا مقصد یہی ہوتا تو آپ اپنے ساتھ اپنے اہل وعیال کو نہ لے جاتے۔ اگر آپ درحقیقت اختلاف در انشقاق پیدا کرنا چاہتے تو آپ عراق جانے میں اتنی جلدی بھی نہ کرتے بلکہ مکہ مکرمہ ہی میں بیٹھ کر اپنے آدمیوں کے ذریعے سے مملکت اسلامیہ میں (نعوذ باللہ) فتنہ و فساد کی آگ بھڑکا کر لوگوں کو بغاوت پر اُکساتے رہتے اور اس طرح اپنا حقیقی مقصد، بڑی آسانی اور خوش اسلوبی سے حاصل کر لیتے۔

آپ نے کوفہ کا قصد صرف اس لیے کیا کہ آپ کو پکا یقین تھا، تمام اہل عراق آپ کے ساتھ ہیں۔ اُنھوں نے آپ سے بیعت کر لی تھی اور قسم کھائی تھی کہ ہم ہر حال میں آپ کی مدد کریں گے لیکن جب آپ کو راستے میں معلوم ہوا کہ کوفہ والوں نے غداری کی ہے، اور وہ آپ کا ساتھ چھوڑ کر ابنِ زیاد سے مل گئے ہیں تو آپ نے واپس مکہ مکرمہ جانے کا ارادہ کیا اور اپنے مخالفین سے فرمایا:

"تم نے تو میری مدد سے دست کشی اختیار کر لی اور میری بیعت توڑ دی اس لیے اب میں تمھیں چھوڑ کر واپس جاتا ہوں کیونکہ میرے لیے یہ مناسب نہیں کہ میں تم جیسے لوگوں کو دوبارہ اپنی معیت کی دعوت دوں اور تم سے اپنی تائید اور مدد کے لیے درخواست

کروں۔"

اس واقعے سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت حسینؓ امن و امان کے کتنے خواہش مند تھے اور فتنہ و فساد سے کس طرح دور رہنا چاہتے تھے۔ اگر آپ کی طرح آپ کا دشمن بھی امن و سلامتی کی راہ اختیار کرتا اور فتنہ و فساد سے دور رہتا تو حضرت حسینؓ واپس مکہ مکرمہ تشریف لے آتے اور کبھی اپنے مخالفوں سے تعرض نہ کرتے لیکن آپ کے مخالفین کی غرض ہی یہ تھی کہ جس طرح ہو حضرت حسینؓ اور آپ کے ساتھیوں کو شہید کر دیا جائے اور اس طرح یزید کی نظروں میں سرخروئی حاصل کی جائے۔ اس لیے اُنھوں نے حضرت حسینؓ کی مصالحانہ پیش کش کو ٹھکرا دیا اور کربلا کا واقعۂ ہائلہ پیش آیا۔

☆......☆......☆

حضرت علی کرم اللہ وجہہ بن ابی طالب

مؤرخین نے صریح غلطی سے کام لیتے ہوئے خلافت کے دائرے کو نہایت وسیع کر دیا اور ان بادشاہوں کو بھی خلیفہ کا لقب دے دیا جو خلفائے راشدینؓ کے بعد بنو امیہ اور بنو عباس میں ہوئے خلافت کے لیے ضروری ہے کہ وہ مسلمانوں کے باہمی مشورے سے طے پائے اور صرف اسی شخص کو تفویض کی جائے جو تقویٰ اور طہارت کے اعلیٰ معیار پر پہنچا ہوا ہو۔ وہ عدل وانصاف کو قائم رکھے، کسی شخص کی ناجائز رعایت کا اُس کے دل میں خیال تک نہ آئے وہ مملکت کے خزانے کو اپنا مال نہ سمجھے بلکہ رعایا کا مال خیال کرے اور اُسے اُسی کے فائدے کے لیے خرچ کرے۔ اُس کا ہر عمل اس بات کا آئینہ دار ہو کہ وہ انتہائی مخلص، صادق اور عدل وانصاف کے تقاضوں کو بخوبی پورا کرنے والا ہے۔

ان امور کو مدنظر رکھتے ہوئے جب ہم شاہان بنو امیہ کو دیکھتے ہیں تو اُن میں کوئی بھی بات ایسی نہیں پائی جاتی جس کی بنا پر اُنھیں خلیفہ کے مقدس خطاب سے نوازا جا سکے۔ اُنھوں نے خلافت مسلمانوں کے باہمی مشورے سے حاصل نہ کی بلکہ دیگر بادشاہوں کی طرح موروثی طور پر حاصل کی جو باپ کے بعد بیٹے کی طرف اور بھائی کے بعد بھائی کی طرف منتقل ہوتی رہی۔ سیاست کا جو راستہ اُنھوں نے اپنے لیے متعین کیا تھا وہ اُس راستے سے بالکل مختلف تھا جس پر خلفاء راشدینؓ گامزن تھے۔

شخصی حکومت کی بنیاد سب سے پہلے امیر معاویہؓ نے رکھی اور اس کے خطوط بھی انھیں نے متعین کیے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور امیر معاویہؓ کی مخالفت بھی اسی سیاست کا

نتیجہ تھی جو امیر معاویہؓ نے اپنے لیے اختیار کی تھی۔ اس میں کوئی شبہہ نہیں کہ امیر معاویہؓ کو جو دنیوی کامیابی نصیب ہوئی وہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو نصیب نہ ہو سکی۔ قبائل عرب کی بڑی تعداد نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو چھوڑ کر امیر معاویہؓ کی اطاعت قبول کر لی حالانکہ امام الوقت اور خلیفۃ المسلمین حضرت علی کرم اللہ وجہہ ہی تھے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ اسلامی فتوحات کی کثرت اور مغلوب قوموں کی ساری دولت عرب کے خزانوں میں منتقل ہونے کے بعد یہ قبائل عیش و آرام کی زندگی گزارنا اور رنگ رلیوں میں وقت صرف کرنا چاہتے تھے۔ لیکن ان کی خواہشات اور ارادوں کے راستے میں سب سے بڑی روک حضرت علی کرم اللہ وجہہ تھے۔ عیش و آرام سے وہ کوسوں دُور بھاگتے تھے اور رنگ رلیوں سے اُنھیں کسی قسم کا واسطہ نہ تھا۔ وہ انتہائی محنتی شخص اور بڑے منصف مزاج حاکم تھے۔ اُن کا بڑا مقصد حق اور انصاف کی اعلیٰ روایات قائم کرنا تھا۔ کوئی کمزور اور ضعیف شخص آپ کی عدالت سے اپنا حق لیے بغیر واپس نہ جاتا تھا اور کسی بڑے آدمی کی مجال نہ تھی کہ وہ اپنی بڑائی کی وجہ سے کسی بدعنوانی کا مرتکب ہو سکے۔ آپ کا یہ سلوک تھا۔ آپ کے سگے بھائی عقیل کا واقعہ کون نہیں جانتا۔ جب اُنھوں نے بیت المال سے کچھ مال، جس پر اُن کا حق نہ تھا، مانگا تو حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے صاف انکار کر دیا۔ اس پر وہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو چھوڑ کر امیر معاویہؓ سے جا ملے اُنھوں نے عقیل کو تین لاکھ دینار دینے کا حکم دیا۔ اس موقع پر عقیل نے اپنا یہ مشہور فقرہ کہا:

"ان اخی خیرلی فی دینی و معاویۃ خیرلی فی دنیای"

(دینی لحاظ سے میرے لیے میرا بھائی سب سے بہتر ہے اور دینوی لحاظ سے میرے لیے معاویہؓ سب سے بہتر ہے)

اس میں کوئی شبہہ نہیں کہ ایسے بلند کردار شخص سے خود غرض اور لالچی لوگوں کو کوئی امید نہیں ہوتی اور اُس کے گرد جمع نہیں ہوتے۔ ایسے لوگوں کے ملجا و ماویٰ امیر معاویہؓ تھے۔ چنانچہ اس قسم کے ہزاروں اشخاص حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا ساتھ چھوڑ کر امیر معاویہؓ سے مل

گئے تھے اور اس صلے میں اُن سے بیش قرار وظیفے اور انعام وصول کرتے تھے جو اُنھیں حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے کسی صورت میں نہ مل سکتے تھے۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ تقویٰ وطہارت میں اسلام کا مکمل نمونہ، احکام شریعت کے حد درجہ پابند اور دینی لحاظ سے انتہائی بلند مرتبہ شخص تھے۔ فقہ اور دینی امور میں آپ کو کمال حاصل تھا۔ آپ کے ہر عمل میں، خواہ وہ حکومت سے تعلق رکھتا ہو یا جنگوں سے، دینی پہلو غالب رہتا تھا۔ آپ دنیوی خواہشات کو کبھی حق وانصاف پر غالب نہ آنے دیتے تھے شہوات نفسانی سے دور بھاگتے تھے اور حرص وآز کبھی آپ کے پاس بھی نہ پھٹکتی تھی۔ لیکن ایک سیاست دان کے لیے جن ہتھیاروں کی ضرورت ہوتی ہے وہ آپ کے یہاں موجود نہ تھے۔ سیاست نام ہے جھوٹ اور فریب کا اور کامیاب سیاست دان وہی ہوسکتا ہے۔ جو ہر جائز وناجائز حربہ استعمال کر کے مخالف کو زیر کر سکے۔ لیکن حضرت علی کرم اللہ وجہہ میں یہ بات کہاں تھی؟ آپ ایک دینی مصلح تھے۔ دنیا کا ہر کام وہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے کرتے تھے، بندوں کی خوشنودی کے لیے نہیں۔ آپ کے اخلاق کی بہترین تصویر وہ ہے جو عدی بن حاتم نے امیر معاویہؓ کے سامنے ان الفاظ سے کھینچی تھی:

"علی کرم اللہ وجہہ حق وانصاف پر مبنی بات کہتے ہیں اور جو فیصلہ دیتے ہیں وہ قطعی اور عدل وانصاف پر مبنی ہوتا ہے۔ حکمت اُن کے پہلوؤں سے اور علم اُن کے چاروں اطراف سے پھوٹ پھوٹ کر نکلتا ہے۔ دنیا اور اس کی خوش نمائی سے اُنھیں وحشت اور گھبراہٹ ہوتی ہے۔ رات کی تاریکی میں اُنھیں سکون ملتا ہے۔ وہ بے انتہا آنسو بہانے والے اور بے حد غور وفکر کرنے والے آدمی ہیں۔ تنہائی میں اپنے نفس کا محاسبہ کرتے ہیں۔ سادہ لباس اور روکھی سوکھی روٹی کے دلدادہ ہیں۔ اپنے لیے کوئی اعزاز پسند نہیں کرتے۔ لوگوں سے ملتے ہیں تو عام آدمی کی طرح ملتے ہیں۔ اہل دین کی بڑی تعظیم کرتے ہیں۔ مساکین سے محبت کرتے ہیں۔ کوئی بڑا آدمی کسی کمزور پر ظلم کر کے آپ کی سزا سے بچ نہیں سکتا اور کوئی ضعیف اور کمزور آدمی آپ کے انصاف سے مایوس نہیں ہوتا۔ واللہ! میں

نے انھیں ایک رات مسجد میں دیکھا۔رات خاصی بیت چکی تھی مگر وہ محراب میں کھڑے تھے۔اُن کی آنکھوں سے آنسو گر گر کر داڑھی کو تر کر رہے تھے۔اُن کی بے قراری کی کوئی حد نہ تھی۔وہ کسی انتہائی غمگین وحزین انسان کے مانند رو رہے تھے۔اور کہہ رہے تھے اے دنیا! کیا تو میرے قریب آ سکتی ہے؟ ہرگز نہیں میں نے تجھے تین طلاقیں دے دیں۔اب تو میرے پاس کسی طرح راہ نہیں پا سکتی،،

جس طرح آپ ہر وقت اپنے نفس کے محاسبے میں لگے رہتے تھے۔اسی طرح آپ اپنے کارندوں کا بھی سختی سے محاسبہ کرتے تھے۔اسی وجہ سے اُن میں سے بیشتر آپ سے ناراض ہو کر آپ کی مدد سے دست کش ہو گئے۔ان لوگوں میں مصقلہ بن ہبیرہ شیبانی اور آپ کے چچیرے بھائی عبداللہ بن عباس مشہور ہیں۔شروع میں یہ دونوں آپ کے بڑے حامیوں اور مددگاروں میں سے تھے لیکن بعد میں آپ کی حمایت سے علیحدہ ہو گئے۔ اسی طرح آپ نے حضرت زبیر اور حضرت طلحہ کو بھی ناراض کر لیا تھا۔حالانکہ اگر آپ کچھ نرمی سے کام لیتے تو اُنھیں اپنے ساتھ رکھ سکتے تھے۔ابنِ عباس اور مغیرہؓ بن شعبہ نے آپ کو مشورہ دیا کہ آپ معاویہؓ اور حضرت عثمانؓ کے مقرر کیے ہوئے دوسرے کارندوں کو اُس وقت تک بدستور اُن کے عہدوں پر برقرار رکھیں جب تک وہ آپ کی بیعت نہ کر لیں اور موجودہ شورش واضطراب ختم ہو کر امن وسکون کی حالت پیدا نہ ہو جائے اس کے بعد آپ جسے چاہیں معزول کریں اور جسے چاہیں برقرار رکھیں لیکن آپ نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا اور فرمایا:

"نہ میں دین کے راستے میں رکاوٹ پیدا کروں گا اور نہ اپنے معاملات میں کسی بے راہ روی کا روادار ہوں گا۔"

ان دونوں نے کہا "اگر آپ حضرت عثمانؓ کے مقرر کیے ہوئے عمال کو برطرف ہی کرنا چاہتے ہیں تو کم از کم معاویہؓ کو باقی رہنے دیں کیونکہ معاویہؓ کی طاقت بڑی زبردست ہے اور اہل شام ان کے پوری طرح مطیع ہیں۔اس میں آپ کے لیے کسی اعتراض کی

گنجائش بھی نہیں کیونکہ آپ سے پہلے حضرت عمرؓ انھیں شام کا عامل مقرر کر چکے ہیں۔"

"واللہ! میں دو دن کے لیے بھی معاویہ کو برسرِ اقتدار نہ رہنے دوں گا۔"

فریب کاری اور حیلہ جوئی کو آپ کے مذہب میں مطلق دخل نہ تھا ہمیشہ حق بات کہتے تھے اور اس بات کی پروا نہ کرتے تھے کہ کوئی ناراض ہوتا ہے یا خوش ایک خطرناک جنگ کے بعد جس میں آپ کے لشکر نے مخالفین کو شکست فاش دے دی، آپ نے اپنے ساتھیوں سے فرمایا:

"خبردار، دشمنوں میں سے کسی کو قیدی نہ بنانا۔ کسی زخمی پر ہاتھ نہ اُٹھانا اور کسی کا مال نہ چھیننا۔"

آپ کے لشکر نے ان ہدایات پر پوری طرح عمل کیا نہ کسی کو قیدی بنایا نہ کسی زخمی پر ہاتھ اُٹھایا اور نہ کسی کا مال چھینا۔ جب آپ سے ایک شخص نے دریافت کیا کہ امیر المومنین جب آپ نے اُنھیں قیدی بنانے اور اُن کا مال لینے سے منع فرمادیا ہے، پھر ہمارے لیے ان لوگوں سے لڑنا کس طرح جائز ہوا؟ تو حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے جواب میں فرمایا:

"موحدین اور کلمہ گویوں کو نہ قیدی بنایا جا سکتا ہے اور اور نہ اُن کے اموال سے کسی قسم کی غنیمت حاصل کی جا سکتی ہے۔ البتہ اگر وہ سرکشی کریں تو اُن سے لڑنا جائز ہے۔ اس لیے تم ان باتوں کو جن کی تہ کا تمھیں پتا نہیں، چھوڑ دو اور جو کچھ تمھیں حکم دیا گیا ہے اس پر کاربند رہو۔"

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی اپنے دشمنوں پر مہربانی کی ایک نہیں سیکڑوں مثالیں موجود ہیں صفین میں جہاں آپ کی فوجوں کی مڈبھیڑ امیر معاویہؓ کی فوجوں سے ہوئی تھی، امیر معاویہؓ کی فوجوں نے پانی پر قبضہ کر لیا تھا۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی فوج کو پانی لینے کی اجازت دینے سے صاف انکار کر دیا تھا۔ لیکن جب بعد میں پانی پر حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی فوجوں کا قبضہ ہو گیا تو آپ نے امیر معاویہؓ کی طرح اُن کی فوج کو پانی لینے سے نہ روکا بلکہ اجازت دے دی کہ جو چاہے دریا سے پانی لے سکتا ہے۔ اسی طرح امیر معاویہؓ نے

اپنی سیاسی دعوت کو کامیاب بنانے کے لیے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو بر سر عام برا بھلا کہنے کا طریقہ نکالا تھا۔ لیکن حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اپنے مددگاروں اور حامیوں کو سختی سے منع کر دیا تھا کہ امیر معاویہؓ کو برا بھلا نہ کہا جائے ایک مرتبہ جب آپ کو یہ خبر ملی کہ حجر بن عدی اور عمرو بن الحمق امیر معاویہؓ کو برا بھلا کہتے اور اہل شام پر لعن طعن کرتے ہیں تو آپ نے ان دونوں کو بلا بھیجا اور ان سے اس حرکت کا سبب پوچھا۔ انھوں نے کہا:

"یا امیر المومنین! کیا ہم حق پر اور وہ باطل پر نہیں"۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا "بے شک ہم حق پر ہیں لیکن مجھے یہ بات سخت ناپسند ہے کہ تمھارا شمار گالیاں دینے والوں اور لعنت ملامت کرنے والوں میں کیا جائے۔ تم لعنت ملامت کرنے کے بجائے یہ دعا کرو کہ اے اللہ! ہمارے درمیان جو خونریزی ہو رہی ہے اسے بند کر دے۔ ہمیں آپس میں صلح صفائی سے رہنے کی توفیق عطا فرما۔ انھیں ہدایت دے کہ وہ جہالت چھوڑ کر حق کی طرف متوجہ ہوں۔ اور سرکشی کی راہ ترک کر کے صراطِ مستقیم پر گامزن ہو جائیں۔"

ان تمام باتوں کے علاوہ آپ اپنے نفس اور اپنے عمال کا محاسبہ کرنے میں بھی بڑی سختی سے کام لیتے تھے۔ جہاں تک اپنے نفس کا محاسبہ کرنے کا سوال ہے اس میں کسی کو مطلق شبہ نہیں ہو سکتا، عمال کے محاسبے کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ آپ کے دو ممتاز عامل، مصقلہ بن ہبیرہ شیبانی اور یزید بن حجمہ تیمی آپ کی سخت گیری کی تاب نہ لا کر آپ کو چھوڑ کر امیر معاویہؓ سے مل گئے تھے۔ یزید بن حجمہ تیمی کو آپ نے 'رے' کا حاکم بنایا تھا۔ اُس نے خراج کے بیس ہزار درہم غبن کر لیے۔ جب آپ کو غبن کا پتا چلا تو آپ نے اُسے طلب فرمایا اور پوچھا:

"جو مال تم نے غبن کیا ہے وہ کہاں ہے؟"

اُس نے جواب میں کہا "میں نے کوئی غبن نہیں کیا۔"

اس پر حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اُسے دُرّوں سے مارا اور قید کر دیا۔ وہ کسی

طرح قید سے نکل کر امیر معاویہؓ کے پاس جا پہنچا۔ امیر معاویہؓ نے اس کی بڑی خاطر داری کی اور اُس کی جو تنخواہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے مقرر کر رکھی تھی وہی شام میں مقرر کر دی۔ یزید بن حجمہ مدت دراز تک امیر معاویہؓ کے پاس شام میں رہا۔ جب امیر معاویہؓ نے عراق فتح کیا تو وہ بھی ساتھ تھا۔ اُنھوں نے اسے عراق کا حاکم بنا دیا۔

مندرجہ بالا حالات و واقعات بیان کرنے سے ہمارا مقصد اس سیاست کا چہرہ دکھانا تھا جس پر حضرت علی کرم اللہ وجہہ گامزن تھے۔ ان امور سے پتا چلتا ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ اپنی سیاست اور عادات و اطوار کے لحاظ سے واقعی اس قابل تھے کہ آپ کو خلافت کی ذمہ داریاں سونپی جاتیں اور سلطنت کی نگہداشت آپ کے سپرد کی جاتی۔

امیر معاویہؓ

بنو ہاشم کو نبوت کا شرف حاصل ہوا تھا عرب کے کسی دوسرے قبیلے کے لیے یہ ممکن نہ تھا کہ وہ یہ شرف حاصل کر سکتا۔ رسول اللہ ﷺ کے دعوائے نبوت کے بعد مکہ مکرمہ کے تمام روسا نے آپ ﷺ کی مخالفت پر کمر باندھی اور پوری کوشش کی کہ رسول اللہ ﷺ کا مشن کامیاب نہ ہونے پائے لیکن اللہ تعالیٰ نے اُن کی کوششوں کو ناکام کیا اور وہ اسلام کو پھولنے پھلنے سے نہ روک سکے اور اُن صنادید عرب کو جو اسلام کی مخالفت میں پیش پیش تھے، خود اسلام کی آغوش میں آنا پڑا۔ اُنھیں لوگوں میں ابوسفیان اور ان کے بیٹے بھی تھے۔

یزید بن ابی سفیان نے اسلامی جنگوں میں جو کارہائے نمایاں انجام دیے اُن کے صلے میں اُنھیں شام کی ولایت تفویض کی گئی۔ اُن کی وفات کے بعد شام کی عنان حکومت اُن کے بھائی امیر معاویہؓ بن ابی سفیان کے ہاتھ میں آئی۔ اُنھوں نے وہاں کا انتظام نہایت خوش اسلوبی سے کیا اور اُسے پورے طور پر قابو میں کر لیا۔ وہ وہاں کے حاکم مطلق تھے جو حکم چاہتے تھے دیتے تھے۔ کسی کو دم مارنے کی مجال نہ تھی۔ شام پر امیر معاویہؓ کا اقتدار اتنا وسیع ہو گیا کہ اگرچہ وہ مملکت اسلامیہ کا ایک حصّہ اور صوبہ شمار ہوتا تھا لیکن اس کا تعلق دوسری ولایات اور دارالخلافے سے برائے نام رہ گیا تھا۔ اس طرح گو بنوامیہ نبوت کا شرف تو حاصل نہ کر سکے مگر دینوی جاہ و عزت اور حکومت کا منصب اُنھیں ضرور حاصل ہو گیا۔ بنواُمیہ نے شام ہی کو اپنا مسکن بنالیا اور وہ جوق در جوق شام میں جا کر آباد ہونے لگے۔

امیر معاویہؓ نہایت عقل مند دور اندیش، حوادث سے سبق حاصل کرنے والے اور نا گہانی آفات کا پہلے ہی بچاؤ کر لینے والے شخص تھے۔ اُنھوں نے فراست سے بھانپ لیا تھا کہ ایک دن ایسا ضرور آئے گا جب اُنھیں شام کی ولایت سے معزول کرنے کی کوششیں کی جائیں گی، ان کے اقتدار کو چیلنج کیا جائے گا اور ان کے اعمال کا محاسبہ کیا جائے گا۔ اُنھوں نے ایسی صورت حال پیدا ہونے سے پہلے ہی پیش بندیاں شروع کر دیں۔ بنو کلف' ایک نہایت طاقت ور قبیلہ تھا جو شام میں آباد تھا۔ اُنھوں نے اس قبیلے کو ہاتھ میں لینے اور اس کے ذریعے سے سلطنت کو مضبوط کرنے کے لیے اس کی ایک لڑکی سے شادی کر لی۔ اُس لڑکی کے بطن سے یزید پیدا ہوا۔

حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد جب حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے بیعت کی گئی تو امیر معاویہؓ نے فوراً بھانپ لیا کہ جس وقت کا دھڑکا تھا وہ وقت آ گیا آخر۔ اُنھیں یقین ہو گیا کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ اُنھیں کبھی بھی شام کی ولایت پر نہ رہنے دیں گے بلکہ اُنھیں ہٹا کر کسی ایسے آدمی کو مقرر کریں گے جس پر اُنھیں بلکہ کامل بھروسا ہو گا۔ اس لیے اُنھیں اپنی عافیت اسی میں نظر آئی کہ وہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے خلاف بغاوت کر دیں اور اُن سے حضرت عثمانؓ کا قصاص طلب کر کے اپنے لیے راہ ہموار کریں۔ اگر حضرت علی کرم اللہ وجہہ اُنھیں شام کی ولایت پر برقرار رہنے دیتے اور اُن سے کوئی تعرض نہ کرتے تو یقیناً امیر معاویہؓ، حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی خلافت کو تسلیم کر لیتے۔ اُنھیں اس سے غرض نہ تھی کہ خلیفہ کون ہوتا ہے وہ تو یہ چاہتے تھے۔ اُنھیں شام کی ولایت سے نہ ہٹایا جائے لیکن جب حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اُنھیں معزول کرنے اور آئندہ کوئی عہدہ نہ دینے کا فیصلہ کیا تو امیر معاویہؓ نے عمرو بن العاصؓ سے مل کر ان کے خلاف بغاوت کر دی اور حضرت عثمانؓ کے مطالبہ انتقام کے ساتھ ساتھ ان پر یہ الزام بھی لگایا کہ انھوں نے حضرت عثمانؓ کی مدد کرنے میں کوتاہی کی اور اپنے طرزِ عمل سے باغیوں کی حوصلہ افزائی کی۔ حضرت عثمانؓ کی خون آلود قمیص اور حضرت نائلہؓ کی خون آلود انگلیوں کو دمشق کی جامع مسجد میں لٹکا دیا گیا جس سے

سارے شام میں نالہ وشیون برپا ہوگیا۔لوگ جوق در جوق مسجد میں آتے اور یہ چیزیں دیکھ کر ڈاڑھیں مار مار کر روتے اس طرح امیر معاویہؓ نے اہل شام اور عامتہ العرب کو بڑی کامیابی سے اپنی طرف مائل کرلیا۔

جب امیر معاویہؓ اس طرح لوگوں کو اپنی طرف مائل کر کے اپنی قوت کے بارے میں مطمئن ہو گئے تو انھوں نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور اپنے دوسرے مخالفین کو زیر کرنا چاہا۔ان کا سب سے بڑا ہتھیار جس کے ذریعے سے وہ مخالفین اور قبائل عرب کو زیر کرتے تھے۔بذل وعطا تھا۔وہ لوگوں کو خریدنے کے لیے کثرت سے روپیہ اور مال اسباب خرچ کرتے تھے۔'طبری' نے اس ضمن میں ایک واقعہ اپنی کتاب میں درج کیا ہے جس سے پتا چلتا ہے۔کہ امیر معاویہ سرداران قبائل کو روپے پیسے کے ذریعے سے خریدنے کا کتنا اچھا ملکہ رکھتے تھے۔'طبری' لکھتا ہے کہ "امیر معاویہؓ نے تمیم کے ایک مشہور سردار ابو منازل کو ایک موقع پر ستر ہزار درہم دیے۔ابو منازل نے یہ دیکھ کر امیر معاویہؓ سے کہا:

"آپ نے مجھے دوسرے لوگوں کے مقابلے میں تھوڑی رقم دے کر قبیلہ تمیم میں ذلیل کر دیا،کیا میں صحیح النسب نہیں؟ کیا میں بہ لحاظ عمر کے دوسرے لوگوں سے ممتاز نہیں؟ کیا میں اپنے قبیلے میں معزز ترین فرد نہیں؟"

امیر معاویہؓ نے کہا۔"بے شک"

ابو منازل نے کہا"پھر آپ نے دوسرے لوگوں کے مقابلے میں مجھے تھوڑی رقم کیوں دی؟"

امیر معاویہؓ نے کہا" میں نے رقم دے کر اُن لوگوں کا دین خرید لیا ہے لیکن تم چونکہ دین دار ہو اور حضرت عثمانؓ کی نسبت اچھی رائے رکھتے ہو اس لیے میں نے تمھیں تمھارے دین ہی کے سپرد کر دیا ہے۔"

ابو منازل نے جواب دیا" آپ مجھ سے بھی میرا دین خرید لیں۔"

امیر معاویہؓ نے اسے بھی ایک لاکھ درہم دینے کا حکم دے دیا۔

امیر معاویہؓ پیدائشی سیاست دان طبعاً فیاض اور بخشش کرنے والے تھے۔ ایک شاعر ابوالجہم ان کی صفات کا تذکرہ اس طرح کرتا ہے:

نمیل علیٰ جرانبہ کأنا   اذا ملنا نمیل علیٰ ابینا

نقلبہ لنجبر حالتیہ   فخبر منہما کرماً ولینا

(جب ہم ان (امیر معاویہؓ) کی جانب متوجہ ہوتے ہیں تو اس طرح متوجہ ہوتے ہیں گویا وہ ہمارے باپ ہیں۔ اور جب ہم اُن کے اخلاق وعادات کو دیکھتے ہیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ وہ انتہائی سخی اور نرم دل ہیں)

اس مقام پر ہر شخص کے ذہن میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ امیر معاویہؓ نے حضرت عثمانؓ کی شہادت کے سبب جو بغاوت کی تھی کیا وہ گہرے اخلاص سے کی گئی تھی تا کہ حضرت عثمانؓ کے قاتلوں کو فی الحقیقت کیفر کردار تک پہنچایا جائے یا اس کی تہ میں ملوکیت کا جذبہ کار فرما تھا اور وہ اس طرح اپنی حکومت اور سلطنت کو مضبوط کرنا چاہتے تھے اس سوال کا جواب اس گفتگو سے ملتا ہے جو ان کے اور حضرت عثمانؓ اور ان کی بیٹی حضرت عائشہؓ کے درمیان ہوئی۔ تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ امیر معاویہؓ شہادت حضرت عثمانؓ کے بعد مدینہ منورہ میں آئے تو حضرت عثمانؓ کے گھر بھی گئے۔ اُنھیں دیکھ کر حضرت عثمانؓ کی بیٹی حضرت عائشہؓ رونے لگیں۔ اور بلند آواز سے پکارنے لگیں۔ " واابتـــاہ "(ہائے ابا جان) یہ دیکھ کر امیر معاویہؓ نے کہا:

"اے میری بھتیجی! لوگوں نے ہمیں امان دی اور ہم نے اُنھیں امان دی۔ ہم نے اُن کے لیے ایسا حلم ظاہر کیا جس کے نیچے غیظ وغضب پنہاں ہے۔ اُنھوں نے ہماری ایسی اطاعت قبول کی جس میں کینہ چھپا ہوا ہے۔ ہر انسان کے ساتھ اُس کی تلوار لگی ہوئی ہے اور وہ اپنے مددگاروں کی تلاش میں ہے۔ اگر ہم اُن سے عہد شکنی کریں گے تو وہ بھی ہم سے یہی برتاؤ کریں گے پھر پتا نہیں ہم غالب آئیں گے یا وہ۔ بھتیجی! تمہارے لیے امیر المومنین کی بیٹی ہونا زیادہ اچھا ہے بہ نسبت اس کے کہ تمھارا شمار ایسی عورتوں میں ہو جو

مسلمانوں کی عزت و ناموس کے درپے ہیں۔"

اس گفتگو سے امیر معاویہؓ کی سیاست اور آپ کے رجحانات کا بخوبی پتا چل جاتا ہے۔لیکن آپ کے اخلاق و عادات، سیاست اور طریق کار کی اس سے بھی واضح تصویر آپ کے اس قول سے نمایاں ہوتی ہے:

"میں اپنی تلوار اُس جگہ نہیں اُٹھاتا جہاں میرا کوڑا کام دیتا ہے اور میں اپنا کوڑا اُس جگہ نہیں اُٹھاتا جہاں میری زبان کام دے دیتی ہے ۔اگر میرے اور دوسرے لوگوں کے درمیان ایک دھاگہ ہوتو وہ دھاگا کبھی نہیں ٹوٹ سکتا۔"

جب آپ سے پوچھا گیا "یہ کیوں کر؟" تو آپ نے جواب دیا۔

"جب دوسرے لوگ وہ دھاگا کھینچیں گے تو میں اُسے ڈھیلا چھوڑ دوں گا اور اگر دوسرے لوگ اسے ڈھیلا چھوڑ دیں گے تو میں کھینچ لوں گا۔"

آپ کے اس قول سے واضح ہوتا ہے کہ آپ کس قدر حلیم، سیاست کے ماہر اور پرسکون طبیعت کے مالک تھے جب آپ پر مشکلات نازل ہوتی تھیں اور مصائب کی گھنگھور گھٹائیں چھانے لگتی تھیں تو آپ نہ صرف اپنے اعصاب پر قابو پا کر ان مشکلات اور مصائب سے بچ نکلنے کے طریقے دریافت کر لیتے تھے۔ بلکہ اُلٹا اپنے دشمنوں کو نت نئی مشکلات اور مصائب میں مبتلا کر دیا کرتے تھے امیر معاویہؓ نے سیاسی زندگی میں جس طریقے سے کام کیا اس کے بارے میں 'شعبی' کا مندرجہ ذیل قول حقیقت پر مبنی ہے:

"معاویہؓ اصیل اُونٹ کے مانند ہیں کہ اُسے کچھ کہا نہ جائے تو وہ برابر چلتا رہتا ہے لیکن جب اُس پر سختی کی جائے تو وہ ٹھہر جاتا ہے اور ایک قدم بھی آگے نہیں بڑھاتا۔"

سیاست دان عام طور پر حلیم نہیں ہوتا کیوں کہ سیاست اور حلم کا کوئی جوڑ نہیں۔ سیاست دان کو بسا اوقات کام نکالنے کے لیے ایسی ایسی باتیں کرنی پڑتی ہیں جو حلم کے سراسر منافی ہوتی ہیں۔ لیکن امیر معاویہؓ کا یہ کمال تھا کہ وہ بیک وقت اعلیٰ درجے کے سیاست دان بھی تھے اور انتہا درجے کے حلیم بھی اس کی بہترین مثال حضرت حسنؓ کو خلافت

سے دست برداری پر آمادہ کرنے کا واقعہ ہے۔ آپ نے انھیں خط لکھا۔ ”کہ تقوے اور طہارت کے لحاظ سے آپ سے بہتر اور کوئی شخص موزوں نہیں اور اگر مجھے یقین ہوتا کہ آپ امور خلافت کو بھی احسن طریقے سے چلا لیں گے اور امت کو ہر قسم کی مشکلات سے محفوظ رکھیں گے تو سب سے پہلے جو شخص آپ کی بیعت کرتا وہ میں ہوتا۔ لیکن موجودصورت حال میں آپ کے لیے یہ مناسب ہے کہ آپ خلافت سے دست بردار ہو جائیں۔ اس کے بدلے میں آپ جو چاہیں گے میں آپ کی خدمت میں پیش کر دوں گا۔“

اس خط کے ساتھ ہی امیر معاویہؓ نے انھیں ایک سفید کاغذ بھیجا جس کے نیچے اُن کی مہر لگی ہوئی تھی اور کہلا بھیجا کہ ”آپ کاغذ پر اپنے لیے جو کچھ لکھ دیں گے میں اُسے قبول کر لوں گا۔“

اس طرز تحریر کا حضرت امام حسنؓ پر خاطر خواہ اثر پڑا۔ اُنھوں نے امیر معاویہؓ کے لکھنے کے مطابق خلافت سے دست برداری کا اعلان کر دیا اور اس سفید کاغذ پر اپنے اور اپنے ساتھیوں کے لے مال ومنازل اور جائدادوں کی تفصیل لکھ دی جو امیر معاویہؓ نے بڑی خوشی سے انھیں دینی منظور کر لیں۔

امیر معاویہؓ نے سلطنت کے مختلف علاقوں کے لیے جن حاکموں کا انتخاب کیا وہ بھی عقل مندی، متانت اور ذکاوت میں نظیر نہ رکھتے تھے۔ عمروؓ بن العاص، زیاد بن ابیہ، مغیرہ بن شعبہ وہ لوگ تھے جنھوں نے امیر معاویہؓ کی سلطنت کو مضبوط کرنے میں کوئی دقیقہ فرد گزاشت نہ کیا اور جنھوں نے عام لوگوں کی ہمدردیاں خرید نے اپنے مخالفوں کو زیر کرنے حلم ونرمی کے موقع پر بردباری برتنے اور سختی اور شدت کے موقع پر سختی برتنے میں اپنے سیاسی رہنما کے دوش بدوش کام کیا۔

زیاد بن ابیہ حاکم کوفہ نہایت سخت دل انسان تھا۔ لوگ اُس کے نام سے کانپتے تھے لیکن وہ سختی کے ساتھ ساتھ جہاں موقع دیکھتا نرمی سے بھی کام لیتا تھا۔ اور مخالفوں کا منہ روپے پیسے سے بند کر دیتا تھا۔ چنانچہ جب اُسے ایک با اثر اور بارسوخ خارجی ابوالخیر کی

طرف سے بغاوت کا اندیشہ ہوا تو اُس نے اس خارجی کو بُلا کر نیشاپور اور ملحقہ علاقے کا عامل مقرر کر دیا، چار ہزار درہم ماہانہ وظیفہ اور ایک لاکھ درہم سالانہ تنخواہ مقرر کر دی۔ اس تدبیر سے ابوالخیر رام ہو گیا۔ بعد میں وہ کہا کرتا تھا کہ ''میں نے اطاعت اختیار کرنے اور جماعت میں شامل رہنے سے بہتر طریقہ نہیں دیکھا۔''

یہی حال مغیرہ بن شعبہ کا تھا۔ ایک مرتبہ جمعے کا خطبہ پڑھ رہے تھے کہ ایک شخص حجر بن عدی نے ان پر کنکر پھینکے۔ وہ فوراً منبر سے اترے اور محل میں چلے گئے وہاں سے انھوں نے پانچ سو درہم حجر بن عدی کو بھجوا دیے لوگوں نے مغیرہ سے پوچھا کہ ''آپ نے حجر کے ساتھ اس قدر نیک سلوک کیوں کیا حالانکہ اُس سے آپ کی شدید مخالفت ہے؟''

اُنھوں نے جواب دیا۔

''میں نے اس رقم سے اُسے قتل کر دیا ہے۔''

اپنے مخصوص طریقوں کی بدولت امیر معاویہؓ نے اپنے دُشمنوں پر جو کامیابی حاصل کی اُس کی اہمیت کا اندازہ خود اُنھیں بھی تھا۔ چنانچہ وہ کہتے ہیں:

''چار خصائل کی وجہ سے علی کرم اللہ وجہہ مجھ سے مات کھا گئے۔''

۱۔ وہ اپنا بھید کسی سے چھپاتے نہیں لیکن میں اپنا بھید کسی پر ظاہر نہیں کرتا۔

۲۔ وہ نہایت بے فکر شخص ہیں جب تک مصیبت اُن پر پوری طرح نازل نہ ہو جائے وہ اُس سے بچاؤ کی کوئی تدبیر اختیار نہیں کرتے لیکن میں پہلے سے ہر مصیبت کا سامنا کرنے اور اُس کا مقابلہ کرنے کے لیے تیار رہتا ہوں۔

۳۔ اُنھیں بدترین لشکر سے پالا پڑا ہے جو اُن کے احکام کی مطلق پروا نہیں کرتا لیکن میرا لشکر میرے احکام سے سرتابی کرنے کی جرات نہیں کر سکتا۔

۴۔ اُنھیں قریش کی حمایت میسر نہیں لیکن مجھے اُن کی پوری حمایت حاصل ہے۔ انھیں وجوہ کی بنا پر میں نے جو کچھ چاہا حاصل کر لیا لیکن علی کرم اللہ وجہہ نے جو کچھ چاہا وہ اُسے حاصل نہ کر سکے۔

خود حضرت علی کرم اللہ وجہہ بھی امیر معاویہؓ کی اس کامیابی کے معترف تھے۔ چنانچہ انھوں نے زیاد بن ابیہ کو اُس زمانے میں جب وہ آپ کا مطیع و فرمانبردار تھا۔ ایک علاقے کا حاکم مقرر کرتے ہوئے منجملہ اور باتوں کے یہ فقرہ بھی لکھا تھا:

''معاویہؓ میں یہ طاقت ہے کہ وہ لوگوں کو ہر چہار طرف سے اپنی جانب کھینچ لیتے ہیں اس لیے تم ڈرتے ہی رہنا۔''

اپنی بے نظیر سیاست اور قابلیت سے کام لے کر امیر معاویہؓ نے اپنے راستے سے ہر کانٹا دور کر دیا اور بڑی شان سے مدت دراز تک حکومت کی، اپنی زندگی ہی میں اُنھوں نے اپنے بیٹے یزید کے لیے لوگوں سے بیعت لے لی۔ ان کا خیال تھا کہ اُنھوں نے اپنے ہر مخالف کو زیر کر لیا ہے سارا عرب ان کے زیر نگیں ہو چکا ہے کسی شخص کو اُن کے احکام سے سرتابی کرنے کی مجال نہیں، غرض یزید کے لیے ہر قسم کی راہ ہموار کر لی گئی ہے اس لیے ان کے بعد یزید کو کسی خاص مخالفت کا سامنا نہ کرنا پڑے گا اور وہ کاروبار حکومت بڑے اطمینان سے چلا سکے گا۔ لیکن یہ محض اُن کی خوش فہمی تھی۔ تعجب ہے کہ انتہائی فطانت ذکاوت اور دور اندیشی کے باوجود اُنھوں نے اپنے ذہن میں ان خیالات کو کس طرح جگہ دے دی۔ یزید ان کی طرح عقل مند دُور اندیش حلیم اور فیاض نہ تھا اُسے نہ دین سے کچھ واقفیت تھی نہ امور سیاست سے وہ دن رات لہو و لعب اور راگ رنگ کی محفلوں میں مشغول رہتا تھا۔ ایسے شخص کو امت کے سر پر مسلط کر دینا کسی طرح مناسب نہ تھا۔ گو اس وقت مسلمانوں میں بہت سی خرابیاں راہ پا چکی تھیں لیکن ابھی اسلام کا ابتدائی زمانہ تھا۔ کئی صحابہ کرامؓ بقید حیات تھے۔ امیر معاویہؓ اگرچہ پدری محبت کی وجہ سے اور اُن کے حاشیہ نشین خوشامد کے باعث یزید کی ولی عہدی پر راضی ہو گئے تھے لیکن عامۃ المسلمین کبھی اس پر مطمئن نہ ہو سکتے تھے۔ اُن کے نزدیک خلیفہ کے لیے تین خصوصیات کا حامل ہونا ضروری تھا۔

۱۔ وہ علم و فضل کے لحاظ سے ممتاز حیثیت رکھتا ہو۔

۲۔ اعلیٰ حسب و نسب کا مالک ہو۔

۳۔ تقوے اور اخلاص میں تمام مسلمانوں سے بڑھ چڑھ کر ہو لیکن یزید میں سوا دوسری شرط کے باقی دو شرطیں مفقود تھیں۔

جب امیر معاویہؓ کی وفات کا وقت نزدیک آیا تو آپ نے یزید کو بلایا اور اُسے حسب ذیل وصیتیں کیں:

''اے میرے بیٹے! میں نے تمہارے راستے سے تمام کانٹے دور کر دیے ہیں تمہارے دُشمنوں کو زیر کر دیا ہے۔ عرب کی گردنیں تمہارے سامنے جھکا دی ہیں اور ایسا خزانہ جمع کر دیا ہے جس کی نظیر نہیں ملتی۔ میرے ان احسانات کا شکریہ تم پر اس طرح واجب ہے کہ تم اہل حجاز سے مہربانی اور الفت سے پیش آنا کیونکہ وہ تمھاری اصل ہیں۔ جو حجازی تمہارے پاس آئے اُس کی خبر گیری کرتے رہنا اہل عراق کا بھی خیال رکھنا۔ اگر وہ چاہیں کہ ہر روز اُن کے لیے نیا عامل مقرر کیا جائے تو ایسا کر دینا کیونکہ عاملوں کا معزدل کر دینا اس سے آسان ہے کہ ایک لاکھ تلواریں تمہارے مقابلے میں میان سے باہر نکل آئیں۔ اہل شام کے ساتھ بھی حسن سلوک سے پیش آنا۔ اُنھیں اپنا راز دار بنانا۔ اگر دشمن سے کسی قسم کا خطرہ ہو تو اُن سے مدد لینا لیکن جب دشمن کی مدافعت کر چکو تو انھیں اپنے اپنے شہروں کو واپس بھیج دینا کیونکہ دوسرے شہروں میں رہنے سہنے سے اُن کے اخلاق و عادات بدل جانے کا اندیشہ ہے۔

خلافت کے معاملے میں صرف چار قریشی تمہارے حریف ہو سکتے ہیں۔

حسینؓ بن علیؓ، عبداللہ بن عمرؓ، عبداللہؓ بن زبیرؓ اور عبدالرحمانؓ بن ابی بکرؓ۔ ابن عمرؓ کو تو عبادت نے تھکا دیا ہے۔ جب دوسرے لوگ تمھاری بیعت کر لیں گے تو وہ بھی کر لیں گے۔ حسینؓ بن علیؓ سادہ مزاج ہیں۔ اہل عراق اُنھیں ضرور تمہارے مقابل لا کر رہیں گے۔ اگر وہ تمہارے مقابلے میں آئیں اور تم کامیاب ہو جاؤ تو درگزر سے کام لینا کیونکہ وہ ہمارے قریبی عزیز ہیں۔ اُن کا ہم پر بڑا حق ہے۔ وہ رسول اللہ ﷺ کے نواسے ہیں۔ عبدالرحمانؓ بن ابی بکرؓ کی توجہ عیش و آرام کی طرف ہے جیسے وہ دوسروں کو کرتا دیکھیں گے

خود بھی کریں گے۔ البتہ جو شخص شیر کی طرح گھات لگائے گا اور لومڑی کی طرح چالیں چلے گا وہ عبداللہؓ بن زبیرؓ ہے۔ اگر وہ مقابلہ کرے اور تم کامیاب ہو جاؤ تو اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر دینا لیکن جہاں تک ممکن ہو قوم کو عام خونریزی سے بچانا۔"

بعض مورخین کہتے ہیں کہ یزید، امیر معاویہؓ کے مرض الموت میں آپ کے پاس موجود نہ تھا۔ آپ نے مندرجہ بالا وصیتیں ضحاک بن قیس اور مسلم بن عقبہ کے ذریعے سے اُس تک پہنچائی تھیں۔

امیر معاویہؓ نے یکم رجب ۶۰ھ (مطابق ۴ جولائی ۶۸۰ء) ہفتے کے روز وفات پائی۔ انتقال کے وقت آپ کی عمر پچھتر سال تھی۔ آپ نے اُنیس سال تین مہینے ستائیس دن حکومت کی۔

حسینؓ بن علی کرم اللہ وجہہ

حضرت حسینؓ ۵ شعبان ۴ ھ مطابق ۵ جون ۶۲۶ء کو پیدا ہوئے۔ رسول اللہ ﷺ نے حسینؓ نام رکھا۔ آپ ﷺ کی وفات کے وقت حضرت حسینؓ کی عمر سات سال، سات مہینے اور سات دن کی تھی۔ اس لیے انھیں رسول اللہ ﷺ کی صحبت سے اتنا فیض حاصل کرنے کا موقع نہ ملا جتنا اُن کے والد حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو ملا تھا۔

احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ ان سے اور ان کے بڑے بھائی حضرت حسنؓ سے بہت محبت کرتے تھے اور اُنھیں دیکھنے کے لیے روزانہ حضرت فاطمہؓ کے یہاں تشریف لے جایا کرتے تھے اور اُنھیں بُلا کر پیار کرتے تھے اور کھلاتے تھے۔ ایک صحابیؓ بیان فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ مغرب یا عشا کی نماز کے لیے تشریف لائے۔ آپ ﷺ نے اپنی گود میں حسنؓ یا حسینؓ کو اُٹھا رکھا تھا۔ نماز پڑھانے لگے تو آپ ﷺ نے اُنھیں اُتار کر اپنے قریب بٹھا دیا اور نماز شروع کر دی۔ جب آپ ﷺ سجدے میں گئے تو بہت دیر تک سجدے ہی میں جھکے رہے خاصی دیر کے بعد میں نے سر اُٹھایا تو کیا دیکھتا ہوں کہ بچہ رسول اللہ ﷺ کی پیٹھ پر سوار ہے اور آپ ﷺ سجدے ہی میں پڑے ہوئے ہیں۔ یہ دیکھ کر میں پھر سجدے میں چلا گیا۔ جب نماز ختم ہوگئی تو لوگوں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ "یا رسول اللہ ﷺ! آپ ﷺ نے ایک سجدہ بے حد طویل کر دیا۔ ہمارا خیال ہے کہ یا تو کوئی غیر معمولی واقعہ پیش آ گیا تھا۔ یا اس دوران میں وحی نازل ہوتی رہی۔"

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''ان دونوں باتوں میں سے کوئی بات بھی واقع نہیں ہوئی۔ میرا بیٹا مجھ پر سوار ہو گیا تھا۔ میں نے اُسے ہٹانا پسند نہ کیا۔''

ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ حضرت فاطمہؓ کے گھر کے قریب سے گزرے تو آپ ؐ نے حضرت حسینؓ کے رونے کی آواز سنی۔ آپ ﷺ گھر کے اندر تشریف لائے اور بیٹی سے فرمایا ''کیا تمہیں معلوم نہیں کہ مجھے اس کے رونے سے تکلیف پہنچتی ہے؟''

امام ترمذی نے اپنی کتاب میں ایک روایت درج کی ہے:

''اسامہؓ بن زید کہتے ہیں کہ میں کسی ضرورت کے لیے رات کے وقت رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ ﷺ کوئی چیز چادر میں چھپائے ہوئے باہر تشریف لائے۔ جب میں اپنی بات پوری کر چکا تو میں نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ آپ چادر میں کیا چھپائے ہوئے ہیں؟ آپ ﷺ نے چادر ہٹائی تو اُس کے نیچے سے حسنؓ اور حسینؓ ظاہر ہوئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا یہ دونوں میرے بچے اور میری لڑکی کے لڑکے ہیں۔ اے اللہ! میں ان دونوں سے محبت کرتا ہوں۔ تو بھی ان دونوں سے اور ان سے محبت کرنے والے سے محبت فرما۔''

ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ مسجد میں خطبہ ارشاد فرما رہے تھے کہ حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ مسجد میں داخل ہوئے۔ وہ دونوں سرخ رنگ کے کرتے پہنے ہوئے تھے اور اصغر سنی کی وجہ سے چلتے ہوئے لڑکھڑا رہے تھے۔ رسول اللہ ﷺ یہ دیکھ کر منبر پر سے اُترے اور ان دونوں کو گود میں لے کر اپنے پاس منبر پر بٹھا لیا اور فرمایا:

''اللہ تعالیٰ نے سچ فرمایا ہے کہ مال اور اولاد انسان کے لیے فتنہ اور امتحان ہوتے ہیں میں نے دیکھا کہ یہ دونوں بچے چلتے ہوئے لڑکھڑا رہے ہیں تو مجھ سے رہا نہ گیا اور میں نے خطبہ چھوڑ کر ان دونوں کو اُٹھا لیا۔''

حضرت عمرؓ بھی آپ پر بہت شفقت فرمایا کرتے تھے۔ حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ، حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ سے بہت محبت کرتے تھے اور ہمیشہ ان

دونوں کو اپنے لڑکوں پر مقدم رکھتے تھے۔ ایک دفعہ آپ نے لوگوں میں کچھ رقم تقسیم کی اور اس میں سے ان دونوں بھائیوں کو دس دس ہزار درہم دیے۔ یہ دیکھ کر آپ کے صاحبزادے عبداللہؓ بن عمرؓ نے کہا:

''آپ جانتے ہیں کہ میں بہت پہلے اسلام لایا اور ہجرت بھی کی۔ اس پر بھی آپ ان دونوں لڑکوں کو مجھ پر ترجیح دیتے ہیں؟''

حضرت عمرؓ نے فرمایا۔ ''عبداللہؓ مجھے تمہاری یہ بات سن کر بہت رنج ہوا تم بتاؤ کیا تمہارا نانا اُن کے نانا کے مانند ہے؟ کیا تمہاری ماں اُن کی ماں کے مانند ہے؟ کیا تمہاری نانی ان کی نانی کے مانند ہے؟ کیا تمہارا ماموں ان کے ماموں کے مانند ہے؟ کیا تمہاری خالہ اُن کی خالاؤں کے مانند ہے؟ کیا تمہارا چچا اُن کے چچا کے مانند ہے؟ کیا تمہاری پھوپھی اُن کی پھوپھی کے مانند ہے؟ سنو اُن کے نانا رسول اللہ ﷺ ہیں؟ اُن کی والدہ حضرت فاطمہؓ ہیں۔ اُن کی نانی حضرت خدیجہؓ ہیں۔ ان کے ماموں رسول اللہ ﷺ کے صاحبزادے حضرت ابراہیمؑ ہیں۔ اُن کی خالائیں رسول اللہ ﷺ کی صاحبزادیاں حضرت زینبؓ، حضرت رقیہؓ اور حضرت ام کلثومؓ ہیں۔ ان کے چچا حضرت جعفرؓ بن ابی طالب ہیں اور ان کی پھوپھی حضرت ام ہانیؓ بنت ابی طالب ہیں۔

جب بیت المال سے مسلمانوں کے وظیفے مقرر ہوئے تو حضرت عمرؓ نے ان دونوں بھائیوں کا وظیفہ ان کے والد حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی طرح پانچ پانچ ہزار درہم مقرر کیا حالانکہ اصحاب بدر کے لڑکوں کو دو دو ہزار درہم وظیفہ ملتا تھا۔

ایک مرتبہ یمن سے کچھ حُلّے مدینہ منورہ آئے۔ حضرت عمرؓ نے اُنھیں لوگوں میں تقسیم کر دیا۔ لوگ وہ حلّے پہن کر خوشی سے باہر نکل آئے۔ حضرت عمرؓ مسجد نبوی ﷺ میں تشریف فرما تھے۔ لوگ آپ کے پاس آتے اور آپؓ کو سلام کرتے۔ کچھ دیر بعد حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ بھی اپنی والدہ حضرت فاطمہؓ کے گھر سے نکلے لیکن وہ کوئی حُلّہ پہنے ہوئے نہ تھے۔ اُنھیں دیکھتے ہی حضرت عمرؓ بے قرار ہو گئے اور آپؓ نے لوگوں سے فرمایا:

''مجھے تم لوگوں کو حُلّے دینے سے کوئی خوشی نہیں ہوئی۔''

لوگوں نے وجہ دریافت کی تو آپؓ نے فرمایا: ''ان دونوں بچوں کی وجہ سے دوسرے لوگ حُلّے پہنے ہوئے ہیں لیکن ان کے جسم حُلّوں سے خالی ہیں۔''

یہ کہہ کر اسی وقت یمن کے عامل کو فرمان لکھا کہ حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ کے لیے فی الفور دو عمدہ حُلّے بھیج دو۔ اُس نے حکم کی تعمیل کی۔ جب حُلّے آ گئے تو حضرت عمرؓ نے اُنھیں حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ کو پہنایا اور فرمایا: ''اب مجھے سچی خوشی حاصل ہوئی۔''

ابن خلدون اور بعض دوسرے مورخ لکھتے ہیں کہ حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ اس لشکر میں موجود تھے جس نے مصر کی فتح کے بعد افریقہ کے دوسرے علاقوں پر چڑھائی کی تھی اور اسلامی لشکر کے ساتھ جس میں متعدد صحابہ کرامؓ بھی شامل تھے، یہ دونوں بھی مسجد اقصیٰ تک پہنچ گئے تھے۔

طبری نے اپنی کتاب تاریخ للامم والملوک میں لکھا ہے کہ ان دونوں نے حضرت عثمانؓ کے عہد میں طبرستان کے خلاف جہاد میں حصہ لیا تھا۔ یہ جہاد ۳۰ھ مطابق ۶۵۰ء میں ہوا۔

ان واقعات سے پتا چلتا ہے کہ حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ دونوں بھائی ہر وقت اسلام کی حمایت میں دشمنوں کے سامنے سینہ سپر رہتے تھے اور ہر شہر و قصبہ پر اسلامی علم گاڑنے میں پیش پیش تھے۔

حضرت عثمانؓ کے عہد میں جب اسلام کے اندر پہلی بار فتنہ برپا ہوا اور باغیوں نے آپؓ کے گھر کا محاصرہ کر لیا تو حضرت حسینؓ بھی اُن معدودے چند نوجوانوں میں سے تھے جنھوں نے جان کی پروا نہ کرتے ہوئے باغیوں کا مقابلہ کیا۔ اس واقعے کی تفصیل یوں ہے کہ جب باغیوں نے حضرت عثمانؓ کے گھر کا محاصرہ کر کے پانی بند کر دیا اور آپؓ کے قتل کا ارادہ کیا تو حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے پانی کی تین مشکیں آپؓ کے گھر بھیجیں اور اپنے دونوں بیٹوں حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ کو بھی ہتھیار دے کر آپؓ کے گھر بھیج دیا اور انھیں

حکم دے دیا کہ تم تلواریں لے کر حضرت عثمانؓ کے دروازے پر کھڑے رہو اور کسی شخص کو، جو بری نیت سے حضرت عثمانؓ کے گھر میں داخل ہونا چاہے، دروازے میں قدم نہ رکھنے دو۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی طرح حضرت زبیر بن العوامؓ، حضرت طلحہؓ اور چند اور صحابہ کرامؓ نے بھی اپنے لڑکوں کو حضرت عثمانؓ کی حفاظت کے لیے اُن کے گھر بھیج دیا۔

ایک روز حضرت عثمانؓ نے اپنے گھر کی چھت پر چڑھ کر ایک تقریر فرمائی، لیکن باغیوں نے آپ سے نامناسب سلوک کیا اور آپؓ پر پتھر اور تیر پھینکنے شروع کیے۔ آپؓ کی حفاظت کرتے ہوئے حضرت حسنؓ بھی زخمی ہو گئے۔ باغیوں کو خوف پیدا ہوا کہ کہیں بنو ہاشم یہ دیکھ کر ہمارے مقابلے کے لیے نہ آ جائیں اور ہمیں لینے کے دینے پڑ جائیں اس لیے انھوں نے مکان کی پچھلی طرف سے حضرت عثمانؓ پر حملہ کرنے کا ارادہ کیا۔ چنانچہ محمد بن ابی بکرؓ دو آدمیوں کے ساتھ مکان کی پچھلی دیوار پھاند کر گھر میں داخل ہوا۔ اُس وقت حضرت عثمانؓ کے پاس ان کی بیوی حضرت نائلہؓ کے سوا کوئی نہ تھا اور وہ قرآن شریف کی تلاوت فرما رہے تھے۔ محمد بن ابی بکرؓ نے آگے بڑھ کر آپؓ کی داڑھی پکڑ کر اسے زور سے جھٹکا دیا۔ حضرت عثمانؓ نے صرف اتنا فرمایا ''اے میرے بھتیجے! اگر تیرا باپ اس وقت ہوتا تو وہ ایسا نہ کرتا''۔ اس پر محمد بن ابی بکرؓ شرمندہ ہو کر باہر نکل گیا۔ لیکن دوسرے لوگوں نے اندر آ کر آپؓ کو شہید کر دیا اور بھاگ گئے جب حضرت عثمانؓ کو شہید کر کے قاتلین بھاگ گئے تو آپ کی بیوی چلائیں کہ امیر المومنین شہید کر دیے گئے۔

شور سن کر دروازے پر کھڑے ہوئے لوگ اندر بھاگے تو دیکھا کہ حضرت عثمانؓ خاک و خون میں غلطاں ہیں۔ اب سوا افسوس کے کوئی چارہ نہ تھا جب حضرت علی کرم اللہ وجہہ، حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ کو آپؓ کی شہادت کی خبر ملی تو وہ بھاگے بھاگے آئے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اپنے بیٹوں سے پوچھا کہ جب تم دروازے پر موجود تھے تو لوگوں کو گھر میں داخل ہو کر حضرت عثمانؓ کو شہید کرنے کی جرات کس طرح ہوئی؟ آپ نے انھیں تھپڑ مارے اور محمد بن طلحہ اور عبداللہ بن زبیرؓ کو بھی بُرا بھلا کہا۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی خلافت کے ایام میں جو جنگیں ہوئیں۔ان سب میں حضرت حسینؓ اپنے والد کے ساتھ رہے۔ جنگ جمل، جنگ صفین اور جنگ نہروان کے موقعوں پر آپ نے انتہائی جوانمردی، استقلال شجاعت اور بہادری کا ثبوت دیا۔

ایک جنگ میں آپ نے آگے بڑھ کر ہل من مبارز (کوئی ہے جو میرے مقابلے پر آئے) کا نعرہ لگایا۔تم کون ہو؟" آپ نے جواب دیا" میں حسینؓ بن علیؓ ہوں" یہ سن کر زبرقان نے کہا:

"اے میرے بیٹے! تم لوٹ جاؤ ایک دن میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا تھا۔ آپ اونٹنی پر سوار قبا کی جانب سے تشریف لا رہے تھے اور تم رسول اللہ ﷺ کے آگے بیٹھے ہوئے تھے۔میں نہیں چاہتا رسول اللہ ﷺ سے اس حال میں ملوں کہ میرے ہاتھ تمہارے خون میں آلودہ ہوں۔"

جب ابن ملجم نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ پر وار کیا اور آپ زخمی ہونے کی حالت میں گھر لائے گئے تو آپ نے حضرت حسینؓ کو بلا کر فرمایا:

"میں تم دونوں بھائیوں کو وصیت کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کا تقویٰ اختیار کرنا۔کسی ایسی چیز پر افسوس نہ کرنا جو تمہیں مل نہ سکی۔ہمیشہ لوگوں کے ساتھ نیکی سے پیش آنا اور ظالم کے مقابلے پر مظلوم کی مدد کرنا۔"

"اے بنو عبدالمطلب! خبردار تم اس لئے مسلمانوں کا خون نہ بہانا کہ امیر المومنین شہید کر دیے گئے۔سوا میرے قاتل کے اور کسی کو قتل نہ کرنا۔جب میں مر جاؤں تو میرے قاتل کو تلوار کی ایک ہی ضرب سے قتل کر دینا۔اُس کے اعضا نہ کاٹنا کیونکہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سُنا ہے تم مثلے سے بچو خواہ دیوانے کتے ہی کا کیوں نہ ہو۔"

حضرت حسینؓ کو یہ نصائح کرنے کے بعد آپ اپنے تیسرے بیٹے محمدؒ بن الحنفیہ سے مخاطب ہوئے اور اُن سے پوچھا "میں نے تمہارے بھائیوں کو جو نصیحتیں کی ہیں تم نے سن لی ہیں؟" اُنھوں نے جواب دیا "جی ہاں"۔

آپ نے فرمایا ''میں تمہیں بھی انھیں باتوں کی نصیحت کرتا ہوں، ساتھ ہی وصیت کرتا ہوں کہ تم اپنے بھائیوں سے نیکی کرنا، ان کی توقیر اور عزت کرنا اور ان کی فضیلت کو ہمیشہ پیش نظر رکھنا اور کوئی کام اُن کے مشورے کے بغیر نہ کرنا۔''

اس کے بعد آپ پھر حضرت حسینؓ کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا ''میں تمھیں وصیّت کرتا ہوں کہ تم اس سے اچھی طرح پیش آنا کیونکہ یہ تمہارا بھائی اور تمہارے باپ کا بیٹا ہے تم جانتے ہو کہ تمہارا باپ اس سے محبت کرتا تھا، تم بھی اس سے محبت کرنا۔

۱۹ رمضان ۴۰ ھ مطابق ۱۹ اگست ۶۶۱ء کی رات کو ابن ملجم نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ پر حملہ کیا تھا اور ۲۱ رمضان کی رات کو آپ اسی زخم کی وجہ سے وفات پا گئے تجہیز و تکفین طلوع فجر سے پہلے ہی ہو گئی۔ خلافت حضرت حسنؓ کے ہاتھ میں آئی۔ ابن ملجم کو اسی طرح قتل کر دیا گیا۔ جس طرح حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے حکم دیا تھا۔

امیر معاویہؓ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی خلافت کو تو برداشت نہ کر سکے تھے، حضرت حسنؓ کی خلافت کو کس طرح برداشت کرتے ؟ وہ لشکر لے کر عراق کی جانب روانہ ہوئے۔ ادھر سے حضرت حسنؓ بھی لشکر لے کر امیر معاویہؓ کے مقابلے کو شام کی جانب روانہ ہو گئے۔ راستے میں آپ نے اپنے لشکر کی حالت کا اندازہ کیا تو اُس کی عجب کیفیت پائی۔ لشکر کے لوگ بظاہر آپ کے ساتھ تھے لیکن پست ہمتی کے باعث جنگ سے گریز کرتے تھے۔ پھر اُن میں اختلاف رائے بھی موجود تھا۔ آپ نے لشکر کی حالت دیکھ کر اندازہ کر لیا کہ اس کے ذریعے سے کسی فتح کی اُمید رکھنا بالکل فضول ہے۔ یہ لوگ عین موقع پر دغا دیں گے چنانچہ آپ نے امیر معاویہؓ کو ایک خط لکھا جس میں صلح کی پیش کش کی گئی تھی۔ امیر معاویہؓ نے فوراً یہ پیش کش منظور کر لی اور اُنھیں ایک سادہ کاغذ اپنی مہر لگا کر بھیجا کہ اس پر جو چاہیں لکھ دیں اُنھیں منظور ہوگا۔ اس پر حضرت حسنؓ نے مندرجہ ذیل شرائط رقم فرمائیں:

۱۔ اہل عراق کو امن عام دے دیا جائے اور گزشتہ واقعات کے سلسلے میں کسی کی

گرفت نہ ہو۔

۲۔ اہواز کا خراج میرے نام لکھ دیا جائے۔

۳۔ میرے بھائی حسینؓ کو بیس لاکھ درہم سالانہ وظیفہ دیا جائے۔

۴۔ عطیات اور محاصلات میں بنو ہاشم کا حق دوسروں سے فائق سمجھا جائے۔

امیر معاویہؓ نے یہ تمام شرائط بلا تامل اور بغیر پس و پیش فوراً منظور کر لیں۔ بنو ہاشم کو حضرت حسنؓ کا موقف قطعاً پسند نہ آیا۔ حضرت حسینؓ نے بھی بھائی کو امیر معاویہؓ کا مقابلہ کرنے اور صلح نہ کرنے کا مشورہ دیتے ہوئے فرمایا "میں آپ کو اللہ تعالیٰ کی قسم دیتا ہوں کہ آپ معاویہؓ کی باتوں میں نہ آئیں۔" لیکن حضرت حسنؓ اہل عراق کی جو حالت دیکھ رہے تھے اُس کے پیش نظر آپ نے صلح کرنا ہی مناسب سمجھا آپ کو ان لوگوں پر جو بظاہر آپ کی حمایت کا دم بھر رہے تھے۔ بالکل بھروسا نہ تھا اور آپ اچھی طرح سمجھتے تھے کہ موقع آنے پر یہ لوگ ساتھ چھوڑ کر امیر معاویہؓ سے مل جائیں گے ان حالات میں بہترین طریقہ وہی تھا جو آپ نے اختیار کیا۔ اس طرح مسلمان ایک بہت بڑی خونریزی سے بچ گئے۔

خلافت سے حضرت حسنؓ کی دست برداری کے بعد امیر معاویہؓ بلا شرکت غیرے تمام بلادِ اسلامیہ کے مطلق العنان فرمانروا بن گئے لیکن یہ فرمانروائی اُنھیں خونریزی اور فتنہ و فساد کے بعد حاصل ہوئی تھی۔

اس کتاب میں امیر معاویہؓ کے موقف اور آپ کے اعمال و افعال پر تنقید کرنا مقصود نہیں لیکن میں یہ کہنے سے باز نہیں رہ سکتا کہ امیر معاویہؓ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی جو بلا شک و شبہ امام وقت اور خلیفۃ المسلمین تھے۔ مخالفت کر کے اور ایک قائم شدہ حکومت کے خلاف کھلم کھلا بغاوت کر کے اسلام کے اصولوں پر کاری ضرب لگائی۔ اُنھوں نے اپنی سیاست کو کامیاب بنانے اور اپنے اقتدار کو قائم رکھنے کے لیے مسلمانوں کے خزانے کو جس بے دردی سے خرچ کیا کوئی بھی شخص اُس کی تعریف نہ کرے گا۔ خلافت اور شوریٰ کے

بجائے ملوکیت کی بنیاد ڈال کر اُنھوں نے اسلام کو شدید ضعف پہنچایا۔ اسلام ملوکیت کو کسی طرح بھی جائز نہیں ٹھہراتا رسول اللہ ﷺ کا اپنا عمل اس بات کو ثابت کر رہا ہے۔ آپ ﷺ نے خلافت کے لیے بطور خود کسی شخص کو نامزد نہ فرمایا بلکہ یہ امر مسلمانوں پر چھوڑ دیا کہ وہ ایسے شخص کو خلافت کے لیے منتخب کرلیں جو سب سے زیادہ نیک اور پرہیزگار ہو اور حکومت کا بوجھ اٹھانے اور حق وانصاف کو پوری طرح قائم کرنے کا اہل ہو۔

اصل بادشاہی اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے اور وہ اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے اس انعام سے سرفراز کرتا ہے کسی بندے کی یہ طاقت نہیں کہ اللہ تعالیٰ کی مرضی کے بغیر وہ یا اُس کا بیٹا بادشاہی پر قائم رہ سکے۔ امیر معاویہؓ نے جو بادشاہی اپنے بیٹے کو دی اس کا حشر سب کے سامنے ہے۔ امیر معاویہؓ سمجھتے تھے، اُنھوں نے اپنی زندگی میں سلطنت کو اس قدر مضبوط کر دیا ہے کہ ان کے بعد کسی شخص کی یہ مجال نہ ہوگی، وہ اُن کے بیٹے یزید کے اقتدار کو چیلنج کر سکے لیکن اللہ تعالیٰ آسمان پر کچھ اور ہی تدبیر کر رہا تھا۔ امیر معاویہؓ کی آنکھیں بند ہوتے ہی اُن کی چھوڑی ہوئی سلطنت کا شیرازہ درہم برہم ہونے لگا۔ حضرت حسینؓ کی شہادت نے علویین کے دلوں میں ایسی آگ سلگا دی تھی جو کبھی نہ بجھ سکی۔ آخر ایک صدی سے بھی کم عرصے میں نہایت دردناک طور پر بنو امیہ کی حکومت کا خاتمہ ہوگیا۔

☆......☆......☆

یزید بن معاویہ

یزید بن معاویہ ایک دن نیند سے بیدار ہوا تو وہ اپنے باپ کی جگہ بادشاہ بن چکا تھا مگر مسلمانوں نے یزید کی بادشاہی کو اچھی نظر سے نہ دیکھا۔ امیر معاویہؓ ہی کے عہد میں یزید کے بُرے خصائل کی شہرت ہر طرف پھیل چکی تھی اور لوگوں کو معلوم تھا کہ یزید کو لہو ولہب اور عیش وعشرت کی زندگی بسر کرنے کے سوا کوئی کام نہیں۔ عام خیال یہ تھا کہ امیر معاویہؓ یزید جیسی بُری شہرت رکھنے والے نوجوان کو ولی عہد منتخب کرنے کی جرات نہ کریں گے بلکہ یا تو اپنے معتمد علیہ لوگوں میں سے کسی کو یہ عظیم ذمہ داری اُٹھانے کے لیے مقرر کریں گے یا اپنی جانشینی کا مسئلہ عامتہ المسلمین پر چھوڑ دیں گے کہ وہ جس شخص کو اہل سمجھیں خلیفہ بنا لیں لیکن امیر معاویہؓ نے ان دونوں باتوں میں سے کوئی بھی اختیار نہ کی۔ مسلمانوں کو خلافت کے لیے ایک ایسے شخص کی ضرورت تھی جو سچائی، پرہیز گاری، تقوے اور طہارت میں ممتاز حیثیت کا مالک ہو اور اُسے ملکی سیاست کا بھی خاصا تجربہ ہو۔ اسی طرح امیر معاویہؓ پر بھی یہ لازم تھا کہ وہ اسلام اور مسلمانوں کی بہتری کی خاطر اپنے بعد کسی ایسے شخص کو منتخب کر جاتے جو قوم کی نگاہ میں افضل وجود ہوتا۔

یزید کو بادشاہی تو حاصل ہو گئی لیکن اس نے اپنے چند سالہ دور حکومت میں نہ صرف یہ کہ مسلمانوں کے سواد اعظم کو اپنا مخالف اور دشمن بنا لیا بلکہ قیامت کے لیے اپنے آپ کو مردود مشاہیر کی صف اوّل میں شامل کر لیا۔ مدینہ منورہ کی حرمت کو توڑنا مکہ مکرمہ کا محاصرہ کرنا اور حضرت حسینؓ کو شہید کرانا معمولی جرائم نہیں۔ ان جرائم میں سے کسی ایک کا

بھی ارتکاب ہمیشہ کے لیے کسی شخص کو مسلمانوں کی نگاہوں میں ذلیل بنا دینے کے قابل تھا۔

متعدد مستشرقین نے یزید کے لیے وجہ اعتذار تلاش کرنے کی کوشش کی ہے۔ اور اس کے حلم وعلم، سیاست ولیاقت وغیرہ کی مفروضہ داستانیں اپنی کتابوں میں بیان کی ہیں حالانکہ تمام مورخین عرب کی کتابیں یزید کے ان مفروضہ خصائل سے یکسر خالی ہیں۔ اس معاملے میں مشہور مستشرق لامنس سب سے بڑھا ہوا ہے۔ اس نے یزید کے متعلق پوری ایک کتاب لکھ ماری ہے جس میں اس کی حکومت اور اس کے عہد سے تعلق رکھنے والی ہر قسم کی رطب ویابس روایات جمع کر دی گئی ہیں اور یزید کو نہایت نیک اور یکسر معصوم عن الخطاء ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

بعض مستشرقین کہتے ہیں کہ یزید کو اپنے سے پہلے افراد بنی امیہ کے افعال کی سزا بھگتنی پڑی۔ وہ غیظ وغضب اور جوش وخروش جو ایک عرصے سے عامۃ المسلمین کے دلوں میں پنہاں تھا لیکن امیر معاویہؓ کی سیاست کے باعث باہر نہ آ سکتا تھا اُس نے یزید کے عہد میں نکلنے کے لئے راہ پالی۔

مجھے اس رائے پر تنقید کرنے کی ضرورت نہیں کیونکہ میں اپنی کتاب میں یزید کے حالات بیان نہیں کر رہا بلکہ صرف وہی واقعات درج کر رہا ہوں جن کا یزید سے تعلق تھا۔ پھر بھی میں یہ کہنے سے باز نہیں رہ سکتا کہ مستشرقین کا یہ خیال حقیقت سے کوسوں دور ہے۔ یزید نے حکومت حاصل ہوتے ہی ایسے کام شروع کر دیے جن سے معلوم ہوتا ہے کہ اس میں سیاسی سوجھ بوجھ نام کو بھی نہ تھی۔ اس نے مختلف علاقوں میں اپنے عمال مقرر کرتے ہوئے عقل مندی کا ثبوت دیا نہ اُنھیں لوگوں سے نرمی اور محبت سے پیش آنے کی تلقین کی۔ ان حالات کی موجودگی میں جو کچھ اس کے زمانے میں ہوا اور اُس کے عمال نے جو جو کارروائیاں کیں، ان سب کا ذمہ دار یزید ہے۔ اگر یزید اپنے عمال کو لوگوں سے نرمی اور تلطف کرنے کا حکم دیتا تو عبیداللہ بن زیاد اور دوسرے عمال کی مجال نہ تھی کہ وہ اس کے حکم سے سرتابی

کرتے، خصوصاً اس حالت میں جب یزید کے خلاف نفرت نے شدت اختیار کی تھی، اور معاملہ عام ناراضی سے زیادہ نہ بڑھا تھا۔ تلوار نکال کر مسلمانوں کا قتل عام شروع کر دینا اور اپنے عمال اور قائدین کو کھلی چھٹی دے دینا کہ وہ لوگوں سے جس قسم کا سلوک چاہیں کریں، ایسی فاش غلطی تھی جو کسی صورت میں معاف نہیں کی جاسکتی اور یہ ایسی سیاست تھی جس نے اوائل ہی میں اسلامی سلطنت کو اتنا زبردست نقصان پہنچایا کہ بعد میں اس کی تلافی ممکن نہ رہی۔

یزید ۲۵ھ، ۶۴۶ء، یا ۶۴۷ء میں حضرت عثمانؓ کے عہد خلافت میں پیدا ہوا۔ اپنے والد امیر معاویہؓ کی وفات کے بعد جب بادشاہی کا تاج اس کے سر پر رکھا گیا تو سب سے پہلے یزید کو یہ فکر لاحق ہوئی کہ جن لوگوں نے اس کے والد سے بیعت نہ کی تھی۔ اُنھیں اپنی بیعت کرنے پر مجبور کرے۔ چنانچہ اُس نے عامل مدینہ ولید بن عقبہ بن ابی سفیان کو خط لکھا جس میں اپنے والد کی خبر وفات دینے کے بعد تحریر کیا کہ حسینؓ بن علیؓ۔ عبداللہؓ بن عمرؓ اور عبداللہ بن زبیر سے فوراً بیعت لے لو اور جب تک اُن سے بیعت نہ لے لو اُنھیں اپنے پاس سے جانے کی اجازت نہ دو۔

جب یزید کا خط ولید کے پاس پہنچا تو اُس نے مروان بن حکم کو جو ولید سے پہلے مدینہ منورہ کا حاکم تھا، بلایا اور یزید کا خط دکھا کر اس سے مشورہ طلب کیا۔ مروان نے مشورہ دیا کہ اسی وقت ان اصحاب کو بلا کر اُنھیں بیعت پر مجبور کیا جائے۔ ساتھ یہ بھی کہا:

"عبداللہؓ بن عمرؓ تو حکومت کے طلب گار ہی نہیں۔ اگر وہ بیعت نہ بھی کریں تو کوئی حرج نہیں۔ خطرہ ہے تو حسینؓ بن علیؓ اور عبداللہؓ بن زبیر کی طرف سے۔ اس لیے اُنھیں اسی وقت بُلاؤ اور بیعت پر مجبور کرو۔ اگر بیعت کر لیں تو بہتر ہے ورنہ اُنھیں زندہ باہر نہ جانے دو۔"

چنانچہ ولید نے عبداللہ بن عمرو بن عثمانؓ کو جو اُس وقت بچے تھے، حضرت حسینؓ اور حضرت عبداللہؓ بن زبیر کو بلانے کے لئے بھیجا۔ یہ دونوں اس وقت مسجد میں تھے۔ اس

غیر معمولی وقت کے بلاوے سے فوراً معاملے کی تہہ کو پہنچ گئے اور اُنھوں نے آپس میں کہا ''معلوم ہوتا ہے کہ معاویہؓ کا انتقال ہو گیا ہے اور ہمیں بیعت کے لئے بلایا جا رہا ہے۔''

حضرت حسینؓ اپنے ساتھ چند آدمی لے کر ولید کے پاس پہنچے اور اُنھیں ہدایت کی کہ ''تم دروازے پر بیٹھے رہو۔ اگر میں تمھیں بلاؤں یا تم سنو کہ میری آواز بلند ہو گئی ہے۔ تو سب کے سب مکان کے اندر چلے آنا لیکن اگر ایسا نہ بھی ہو تو دروازے سے نہ ہٹنا یہاں تک کہ میں باہر آ جاؤں۔''

اپنے آدمیوں کو باہر بٹھا کر حضرت حسینؓ اندر ولید اور مردان کے پاس تشریف لے گئے ولید نے آپ کو امیر معاویہؓ کی وفات کی خبر دی اور یزید کا خط پڑھا کر سنایا۔ حضرت حسینؓ نے ''اِنا للہ وانا الیہ راجعون'' پڑھا اور فرمایا۔ ''اللہ تعالیٰ معاویہؓ پر رحم کرے۔ لیکن مجھ جیسا شخص خفیہ بیعت نہیں کر سکتا۔ آپ عام لوگوں کو اس مقصد کے لئے جمع کیجئے۔ میں بھی اُن کے ساتھ آؤں گا جو سب کی رائے ہو گی وہی کیا جائے گا۔''

ولید نے یہ سُن کر حضرت حسینؓ کو جانے کی اجازت دے دی۔ آپ کے جانے کے بعد مردان نے ولید سے کہا: ''افسوس تم نے میرا کہا نہ مانا اور حسینؓ کو جانے دیا۔ اب، جب تک تمہارے اور اس کے درمیان اچھی طرح خون ریزی نہ ہو لے تم اُس پر کبھی قابو نہیں پا سکتے۔

ولید نے جواب دیا: ''بڑے افسوس کی بات ہے تم چاہتے ہو کہ میں حسینؓ کو قتل کر دوں۔ واللہ! قیامت کے دن جس شخص سے حسینؓ کے خون کا مطالبہ کیا جائے گا۔ وہ بڑے نقصان میں رہے گا۔''

حضرت عبداللہ بن زبیر نے ولید سے ایک دن کی مہلت مانگی اور راتوں رات مدینہ منورہ سے نکل کھڑے ہوئے اور مکۂ مکرمہ کی راہ لی۔ صبح ہونے پر جب ولید کو عبداللہ بن زبیرؓ کے مدینہ منورہ سے نکل جانے کا علم ہوا تو اُس نے اُن کے پیچھے آدمی دوڑائے لیکن اُنھوں نے چونکہ مکہ مکرمہ جانے کے لیے ایک غیر معروف راستہ اختیار کیا تھا اس لیے ولید

کے آدمی اُنھیں نہ پاسکے اور نا کام واپس آ گئے۔

اگلے دن ۲۷ رجب ٦٠ھ (مطابق ٦٨٠ء) ہفتے کو رات کے وقت حضرت حسینؓ بھی اپنے بیٹوں، بہنوں، بھتیجوں، بھانجوں اور دوسرے اہل بیعت کو لے کر مدینہ منورہ سے مکہ مکرمہ روانہ ہو گئے۔ البتہ آپ کے بھائی محمد بن الحنفیہؒ مدینہ منورہ ہی میں رہے۔

حضرت حسینؓ اور حضرت ابن زبیرؓ کے مدینہ منورہ سے چلے جانے کے بعد ولید نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کو بلایا اور انھیں بیعت کے لئے مجبور کیا۔ اُنھوں نے خاموشی سے بیعت کر لی۔ حضرت ابن عباس نے بھی یزید کی بیعت کر لی۔

۳ شعبان ٦٠ھ مطابق ۹ مئی ٦٨٠ء بروز جمعرات کو حضرت حسینؓ مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے اور شعب علیؓ میں قیام کیا۔ اہل مکہ جوق در جوق آپ کے پاس آنے لگے۔ ابن زبیر نے خانہ کعبہ کو اپنی قیام گاہ بنا لیا اور وہیں عبادت میں مشغول ہو گئے۔ وہ اکثر حضرت حسینؓ کے پاس آ کر اُن سے باتیں بھی کیا کرتے تھے۔

کوفہ سے بُلاوا

حضرت حسینؓ کو عراق میں بڑی تائید حاصل تھی۔ عراق میں آپ کے حامی وقتاً فوقتاً آپ کو لکھتے رہتے تھے کہ آپ یہاں تشریف لائیں۔ ہم آپ کی پوری حمایت کریں گے اور امیر معاویہؓ کے خلاف آپ کی ہر طرح سے مدد کریں گے۔ ان خطوط اور قاصدین کا سلسلہ حضرت حسنؓ ہی کے زمانے سے شروع ہو چکا تھا۔ لیکن حضرت حسینؓ کا جواب ایک ہی ہوتا تھا آپ ہمیشہ اپنے حامیوں کو انتظار اور صبر کی تلقین کرتے تھے۔ امیر معاویہؓ نے یہ وعدہ کر رکھا تھا۔ کہ وہ اپنی زندگی میں ان سے چھیڑ چھاڑ نہ کریں گے اور انھیں باقاعدہ انکا وظیفہ ادا کرتے رہیں گے۔ اس لئے حضرت حسینؓ کو کوئی ضرورت نہ تھی کہ وہ اپنی طرف سے امیر معاویہؓ کی پریشانی کے اسباب پیدا کرتے۔

کوفہ کے لوگوں سے حضرت حسینؓ کی جو خط و کتابت رہتی تھی امیر معاویہؓ کے عمال اور جاسوس اس کی خبریں برابر امیر معاویہؓ کو پہنچاتے رہتے تھے اور اُن پر یہ اثر ڈالنے کی کوشش کرتے کہ حسینؓ بغاوت کی تیاریاں کر رہے ہیں اس لیے ان کے خلافت سخت کاروائی کرنی چاہیے اور بیت المال سے اُنھیں جو وظیفہ ملتا ہے وہ بند کر دینا چاہیے لیکن امیر معاویہؓ ہر بار انھیں یہی جواب دیتے تھے کہ وہ حسینؓ سے تعرض نہ کریں اور اُنھیں اُن کے حال پر چھوڑ دیں۔ ساتھ ہی وہ اوقات معینہ پر حضرت حسینؓ کا وظیفہ بھی اُنھیں بھجوا دیتے تھے۔

امیر معاویہؓ کے عہد میں اُن کے ایک عامل ولید بن عتبہ نے کوشش کی کہ حضرت حسینؓ اور اُن کے حامیوں کے باہمی تعلقات منقطع کر دیئے جائیں لیکن اس بات کا ثبوت

نہیں ملتا کہ اُس نے یہ کوشش امیر معاویہؓ کے حکم سے کی تھی یا بطور خود، ولید بہت نیک دل حاکم تھا۔ حضرت ابن عباس اس کے متعلق کہتے ہیں کہ "جب وہ مدینہ منورہ کا والی مقرر ہو کر آیا تو قید خانے میں جتنے قیدی تھے سب کو آزاد کر دیا اور شہر میں جتنے قرض دار تھے اُن کا قرض ادا کر دیا۔" حضرت حسینؓ سے بھی وہ بہت عزت و احترام کے ساتھ پیش آتا تھا۔ اس لئے بادی النظر میں اُس کی اس کوشش کا مقصد یہ نظر آتا ہے کہ اس طرح وہ حضرت حسینؓ کو امیر معاویہؓ کے غیظ و غضب سے بچا لے گا۔ کیونکہ جب حضرت حسینؓ اور اُن کے حامیوں کے تعلقات منقطع ہو جائیں گے تو امیر معاویہؓ حضرت حسینؓ کی طرف سے بے فکر ہو جائیں گے اور اُن پر کسی قسم کا تشدد نہ کریں گے۔

اہل کوفہ حضرت حسینؓ کی حمایت کے سب سے بڑے دعوے دار اور معاویہؓ کے خلاف بغاوت کے لئے سب سے زیادہ بے چین تھے۔ جب اُنھوں نے سُنا کہ امیر معاویہؓ وفات پا گئے اور حضرت حسینؓ نے یزید کی بیعت سے انکار کر دیا تو اُنھوں نے سلیمان بن صرد خزاعی کے مکان میں ایک خفیہ اجتماع منعقد کیا۔ جس میں سلیمان نے تقریر کرتے ہوئے کہا۔ "حسینؓ مدینہ منورہ سے نکل کر مکہ مکرمہ چلے گئے ہیں۔ تم اُن کے اور اُن کے والد کے مددگاروں میں سے ہو۔ اگر تم اس موقع پر اُن کی مدد کرنا اور اُن کے دشمن کے خلاف جہاد کرنا چاہتے ہو تو انھیں خط لکھ دو کہ وہ یہاں تشریف لے آئیں لیکن اگر تم اپنی کمزوری کے باعث ڈرتے ہو تو پھر اُنھیں خواہ مخواہ مصیبت میں نہ ڈالو۔"

اس پر سب نے یک زبان ہو کر کہا۔ "یقیناً حسینؓ کے دشمن سے جنگ کریں گے۔

اور اپنی جانوں پر کھیل کر کامیاب بنائیں گے۔"

چنانچہ بالاتفاق حضرت حسینؓ کو ایک خط لکھ گیا جس کا مضمون یہ تھا:

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حسینؓ بن علیؓ امیر المومنین کے نام سلیمان بن صرد خزاعی، مسیب بن نجبہ، رفاہ

بن شداد، حبیب بن مظاہر، عبداللہ بن دال اور اُن کے مومن مددگاروں کی طرف سے۔

"اللہ تعالیٰ آپؓ پر سلامتی نازل فرمائے، اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اُس نے آپؓ کے اُس دشمن کو موت کی نیند سلا دیا ہے جو انتہائی سرکش اور ظالم تھا جس نے امت کا نظام درہم برہم کر دیا اور لوگوں کی مرضی کے خلاف اُن پر حکومت کی، اُمتّ کے نیک لوگوں کو شہید کیا اور شر پسندوں کو ساتھی بنایا، اللہ تعالیٰ کا مال ساتھیوں اور رشتہ داروں میں بے دریغ لٹایا۔ ہم بغیر امام کے ہیں۔ آپ تشریف لائیں تاکہ آپؓ کی مدد سے ہم حق پر جمع ہو جائیں۔ امیر کوفہ نعمان بن بشیر سرکاری محل میں ہے اُس کے پیچھے نہ ہم جمعہ کی نماز پڑھتے ہیں نہ عید کی اگر ہمیں معلوم ہو جائے کہ آپؓ تشریف لا رہے ہیں تو ہم اُسے شام کی حدود میں دھکیل دیں گے۔

والسلام علیك ورحمته الله وبركاتهٗ یاابن رسُول الله وعلیٰ ابیك من قبلك ولاحول ولا قوة الاّ بالله العلی العظیم۔

اہل کوفہ کا یہ خط عبداللہ بن مسمع ہمزانی اور عبداللہ بن وال کے سپرد کیا گیا۔ دونوں تیزی سے سفر کرتے ہوئے۔ ۱۰ رمضان المبارک کو مکہ مکرمہ پہنچے اور خط حضرت حسینؓ کے حوالے کر دیا۔

اہل کوفہ زیادہ صبر نہ کر سکے اور اس خط کے بھیجنے کے دو روز بعد قیس بن مشہد صیداری، عبداللہ و عبدالرحمان بن شداد ارجی اور عمارہ بن عبد سلولی کو مختلف عمائدین مشہور کے ڈیڑھ سو خط اور دے کر حضرت حسینؓ کی خدمت میں بھیجا جن میں اُن سے کوفہ تشریف لانے کی درخواست کی گئی تھی۔ اس کے بعد اُن سے صبر نہ ہو سکا اور ان ڈیڑھ سو خطوط پر اکتفا نہ کرتے ہوئے دو روز ٹھہر کر اُنھوں نے ہانی بن ہانی سبیعی اور معید بن عبداللہ الحنفی کے ہاتھ حضرت حسینؓ کو اس مضمون کا خط بھیجا:

"حسینؓ بن علیؓ کے نام، آپ کے مومن مددگاروں اور حامیوں کی طرف سے! لوگ آپ کا انتظار بے چینی سے کر رہے ہیں۔ وہ آپ کے سوا کسی کی حکومت قبول نہیں کر

سکتے۔ آپ جس قدر جلد ممکن ہو یہاں تشریف لے آئیں، والسلام۔"

اس خط کے بعد ایک اور خط لکھا گیا جو یہ تھا:

"زمین سرسبز ہو چکی ہے، پھل پک چکے ہیں، آپ کی مدد کے لئے لشکر تیار ہے، آپ تشریف لے آئیں۔"

جب حضرت حسینؓ کی خدمت میں پے در پے اہل کوفہ کے خط پہنچنے شروع ہوئے تو آپ نے اہل رائے اصحاب سے مشورے کے بعد ہانی بن ہانی اور سعید بن عبداللہ کے ہاتھ اہل کوفہ کو مندرجہ ذیل خط لکھا:

"مجھے تمہاری خواہش کا اچھی طرح علم ہو گیا ہے۔ میں اپنے چچیرے بھائی اور معتمد علیہ مسلم بن عقیل کو تمہارے پاس بھیج رہا ہوں۔ میں نے اُنھیں ہدایت کر دی ہے کہ وہ تمام حالات کی تحقیق کر کے مجھے اطلاع دیں۔ اگر مجھے معلوم ہوا کہ کوفہ کے خواص اور عوام اسی طرح میری خلافت کے خواہش مند ہیں جس طرح اُنھوں نے اپنے خطوں میں ظاہر کیا ہے تو میں انشاء اللہ جلد تمہارے پاس پہنچ جاؤں گا۔ حقیقت یہ ہے کہ امام وہ ہونا چاہیے جو کتاب اللہ پر پوری طرح عمل کرنے والا ہو، عادل ہو اور دین حق کا پورا فرماں بردار ہو۔"

مسلم بن عقیل کو کوفہ بھیجنے کا مقصد یہ تھا کہ آپ کو اہل کوفہ کے موقف کی طرف سے پورا اطمینان ہو جائے، اپنے حامیوں کی تعداد کا پتا چل جائے اور معلوم ہو جائے کہ آیا اہل کوفہ ان کی مدد کے لئے پوری طرح تیار ہیں یا نہیں۔

آپ کے ساتھیوں کو کوفیوں کے وعدوں پر مطلق بھروسا نہ تھا۔ جب پے در پے خطوط آنے لگے تو انھوں نے حضرت حسینؓ کو سمجھایا کہ ان لوگوں نے آپ کے والد کی مدد سے کنارہ کشی کر کے اُنہیں عین منجدھار میں چھوڑ دیا تھا۔ پھر وہ آپ کے برادر اکبر کی بیعت توڑنے اور غداری کے مرتکب بھی ہو چکے ہیں۔ کوئی تعجب نہیں کہ وہ آپ کے ساتھ بھی ایسا ہی سلوک کریں۔ اس لیے آپ پہلے مسلم کو بھیجئے تا کہ وہ وہاں جا کر حالات کا صحیح جائزہ لیں اور آپ کو اصل صورت حال سے مطلع کریں۔

مسلم بن عقیل کوفہ پہنچے اور مختار بن ابی عبید کے مکان پر اُترے شیعان علیؑ آپ کے پاس آنے شروع ہوئے۔ آپ اُنھیں حضرت حسینؓ کا خط سناتے، وہ رو رو کر عہد کرتے کہ حضرت حسینؓ کی حمایت میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھیں گے اور اپنی جانیں اُن پر نچھاور کر دیں گے۔ چند ہی دن میں اٹھارہ ہزار بلکہ بعض مورخین کے مطابق تیس ہزار لوگوں نے مسلم بن عقیل کے ہاتھ پر حضرت حسینؓ کی بیعت کر لی۔ مسلم نے حضرت حسینؓ کی ہدایت کے بموجب عابس بن ابی شبیب کے ہاتھ آپ کو ایک خط ارسال کیا جس میں لکھا کہ اٹھارہ ہزار اشخاص بیعت کر چکے ہیں۔ آپ بلا خطر تشریف لے آئیں۔ اہل عراق آپ کے حامی ہیں اور آل معاویہؓ سے قطعاً بیزار ہیں۔

نعمان بشیر اُس وقت کوفہ کے امیر تھے جب انھیں ان واقعات کا علم ہوا تو وہ جامع مسجد کے منبر پر چڑھے اور اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء کے بعد کہا:

"اے اللہ تعالیٰ کے بندو! اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور ملت میں تفرقہ اور فتنہ وفساد نہ کرو۔

خوب یاد رکھو کہ تفرقہ اور فساد، قتل وخون اور غارت گری کا موجب ہیں۔

میں بدگمانی کی بنا پر کسی سے مواخذہ کرنا نہیں چاہتا۔ جو شخص مجھ سے جنگ نہ کرے گا۔ میں بھی اُس سے جنگ نہ کروں گا جو شخص مجھ پر حملہ نہ کرے گا میں بھی اُس پر حملہ نہ کروں گا۔ البتہ اگر تم نے کھلم کھلا بغاوت کا اظہار کیا اور یزید کی بیعت شکنی کی، تو واللہ میں تلوار ہاتھ میں لے کر اُس وقت تک تمہاری گردنیں اُڑاتا رہوں گا جب تک تلوار کا دستہ ہاتھ میں رہے گا۔"

نعمان بن بشیر صلح جو اور حلیم اور حاکم تھے۔ ان کی اس تقریر اُمیہ کے ایک حامی نے اُٹھ کر کہا "اے امیر! آپ کمزوری کا اظہار کر رہے ہیں۔ اس طرح نہ چلے گا۔ باغیان حکومت کے خلاف سخت کاروائی ہونی چاہیے۔" نعمان نے جواب دیا۔ "میں اللہ تعالیٰ کی فرماں برداری اور اطاعت میں رہتے ہوئے کمزور اور ضعیف تصور کیا جاؤں یہ مجھے گوارا ہے

مگر اللہ تعالیٰ سے بغاوت کر کے صاحب قوت کہلانا پسند نہیں کرتا۔"

اُس شخص نے یزید کو تمام حالات کی اطلاع دے دی اور لکھا کہ مسلم بن عقیل کوفہ میں آئے ہوئے ہیں اور لوگ دھڑا دھڑ اُن کے ہاتھ پر بیعت کر رہے ہیں لیکن نعمان بن بشیر اس صورت حال کا تدارک نہیں کر سکتے۔ اگر آپ کو کوفہ پر قبضہ رکھنا مطلوب ہے تو یہاں کسی سخت آدمی کو حاکم بنا کر بھیجیں جو آپ کا حکم یہاں نافذ کر سکے اور آپ کے دشمنوں سے نپٹ سکے۔

اسی مضمون کے خط چند اور آدمیوں نے بھی لکھے۔ جب یزید کو پے در پے اس قسم کے خط ملنے شروع ہوئے تو اُس نے اپنے صاحب الرائے اور معتمد علیہ غلام، معاویہ سرجون سے مشورہ کیا۔ اس نے رائے دی کہ بصرہ کے حاکم عبید اللہ بن زیاد کو کوفہ کا حاکم مقرر کر دیا جائے وہ اس صورت حال کا مقابلہ بخوبی کر سکے گا۔ یزید نے اُس کا یہ مشورہ قبول کرتے ہوئے عبید اللہ بن زیاد کو بصرہ کے ساتھ کوفہ کا بھی حاکم مقرر کر دیا اور اسے لکھ بھیجا کہ کوفہ پہنچ کر مسلم بن عقیل کو وہاں سے نکال دو یا قتل کر دو۔ جب یزید کا یہ خط زیاد کے نام پہنچا تو اُس نے کوفہ پہنچنے کی تیاریاں شروع کر دیں۔

اسی اثناء میں حضرت حسینؓ کا ایک خط آپ کے غلام سلیمان کے ہاتھ بصرہ کے معززین، یزید بن مسعود نہشلی اور منذر بن جارود العبدی وغیرہ کے نام پہنچا جس میں آپ نے اہل بصرہ سے اپنی مدد اور اطاعت کی درخواست کی تھی۔ یہ خط پہنچنے پر یزید بن مسعود نے قبائل بن بنی تمیم، بنو حنظلہ اور بنو سعد کو جمع کیا اور ان سے پوچھا:

"اے بنو تمیم! بتاؤ میرا رتبہ اور میرا حسب و نسب تمہارے نزدیک کیسا ہے؟"

اُنھوں نے جواب دیا:

"اے سردار! اس میں پوچھنے کی کیا بات ہے؟ ہر شخص جانتا ہے کہ شرافت و بزرگی اور حسب و نسب میں کوئی شخص آپ کا ہم پلہ نہیں۔"

یزید بن مسعود نے کہا۔ "میں نے تمہیں یہاں اس غرض سے جمع کیا ہے چند

باتوں میں تم سے مشورہ کروں اور مدد چاہوں۔"

لوگوں نے کہا۔" بسرو چشم، آپ فرمایئے، ہم آپ کی ہر نصیحت اور رائے ماننے کے لیے تیار ہیں۔"

یزید بن مسعود نے اس طرح تقریر شروع کی:

"معاویہؓ نے وفات پائی۔ان کے مرنے سے جور و گناہ کا دروازہ ٹوٹ گیا اور ظلم کے محل کے ستون دھڑام سے زمین پر آ رہے۔اُن کا خیال تھا کہ اُنھوں نے اپنی سلطنت خوب مضبوط بنالی ہے لیکن اُن کا یہ خیال محض واہمہ ثابت ہوا۔معاویہؓ کے مرنے کے بعد ایک شرابی اور فاسق و فاجر شخص خلافت کا دعویٰ کر رہا ہے۔اور مسلمانوں پر اُن کی مرضی کے خلاف اپنا حکم مسلط کرنا چاہتا ہے۔اُس میں حلم اور بردباری کا مادہ ہے نہ وہ علم کے زیور سے میزیّن ہے۔میں اللہ تعالیٰ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اُس شخص سے جہاد کرنا مشرکین کے خلاف جہاد کرنے سے افضل ہے۔دیکھو یہ حسینؓ بن علیؓ امیر المومنین کا خط ہے جو رسول اللہ ﷺ کے نواسے ہیں۔اُن سے زیادہ معزز روئے زمین پر اور کوئی شخص نہ ملے گا۔اُن کے فضل اور علم کا ذکر کرنا سورج کو چراغ دکھانا ہے۔شرافت بزرگی، عمر، اسلام کی راہ میں قربانیاں کرنے اور رسول اللہ ﷺ سے قرابت کے باعث خلافت کے مستحق حضرت حسینؓ ہی ہیں۔جو چھوٹوں سے محبت اور شفقت کے ساتھ پیش آتے ہیں اور بڑوں سے عزت و تکریم کے ساتھ۔اب تم اللہ تعالیٰ کے نور میں سے بڑھ چڑھ کر حصہ لو اور باطل کی گمراہیوں میں پڑ کر اپنے آپ کو تباہ نہ کرو۔جنگ جمل کے موقع پر صخر بن قیس نے تم لوگوں کے ساتھ جنگ سے کنارہ کشی اختیاری کر لی تھی۔اب اللہ تعالیٰ نے تمھیں ایک اور موقع دیا ہے۔تم دل و جان سے ابن رسول اللہ ﷺ کی مدد کے لئے نکل کھڑے ہو اور اس طرح رسوائی کا داغ دھو ڈالو۔واللہ جو شخص آپ کی مدد سے کنارہ کشی کرے گا۔اللہ تعالیٰ اس کی اولاد کو ذلت اور رسوائی میں ڈال دے گا اور اُس کے خاندان پر تباہی نازل کرے گا۔دیکھو! میں جنگ کے لئے بالکل تیار ہوں۔اب بھی جو شخص باہر نہ نکلے گا۔یاد رکھے کہ وہ قتل ہونے سے نہ بچ سکے

گا۔"

یزید بن مسعود کی تقریر ختم ہونے کے بعد بنو حنظلہ کھڑے ہوئے اور انھوں نے کہا:

"اے ابو خالد! ہم تیرے ترکش کے تیر اور تیرے قبیلے کے گھوڑے ہیں۔ اگر تو ہمیں دشمنوں پر چلائے گا تو تیر انشانہ بالکل ٹھیک بیٹھے گا اور اگر تو ہمارے ذریعے سے جہاد کرے گا تو فتح پائے گا تو جس جگہ جائے گا ہم تیرے ساتھ جائیں گے تو جس جنگ میں حصہ لے گا اُس میں ہم تیرے دوش بدوش حصہ لیں گے۔ ہم تلواروں سے تیری مدد کریں گے اور جانوں پر کھیل کر تجھے بچائیں گے ہم حاضر ہیں، تو جہاں چاہے ہمیں لے جا"

بنو حنظلہ کے بعد سعد بن زید کھڑے ہوئے اور اُنھوں نے کہا:

"اے ابو خالد! تیری رائے کے خلاف کوئی رائے قائم کرنے اور تیری مخالفت کرنے سے بد تر بات ہمارے لیے اور کوئی نہیں۔ پھر بھی ہمیں کچھ مہلت دے تا کہ ہم باہم مشورہ کر لیں۔"

بنو عامر تمیم بولے: "اے ابو خالد! ہم تیرے مددگار اور حلیف ہیں۔ ہم تیرے غیظ و غضب کو برداشت نہیں کر سکتے۔ تو ہمیں آواز دے ہم لبیک کہتے ہوئے تیرے پاس دوڑے چلے آئیں گے۔ تو ہمیں حکم دے ہم دل و جان سے تیری اطاعت کریں گے۔"

یزید بن مسعود کو ان حوصلہ افزا جوابات سے بڑی خوشی ہوئی۔ اس نے حضرت حسینؓ کو خط لکھا:

آپ کا خط میرے پاس پہنچا جس اُمر کی طرف آپ نے مجھے بلایا ہے میں اسے خوب سمجھ گیا ہوں۔ آپ کی اطاعت اور مدد کرنا میری عین خوش نصیبی ہے اور میں اس پر جتنا بھی فخر کروں کم ہے۔ اللہ تعالیٰ نے کبھی دنیا کو کسی نیک حاکم سے خالی نہیں رکھا۔ اس زمانے میں آپ اللہ تعالیٰ کی مخلوق پر اس کی حجت اور زمین میں اس کی امانت ہیں۔ آپ ایک نہایت خوشنما زیتون کے درخت کی شاخ ہیں اور رسول اللہ ﷺ اس درخت کی جڑ ہیں۔

آپ بے کھٹکے یہاں تشریف لے آئیں۔ بنو تمیم کی گردنیں آپ کے سامنے جھکی ہوئی ہوں گی۔ اور وہ اس پیاسے اُونٹ سے بھی زیادہ آپ کی اطاعت کریں گے جو پانچویں روز پانی پر پہنچتا ہے۔ بنو تمیم کی طرح بنو سعد بھی دل و جان سے آپ کی مدد کریں گے۔

بصرہ کے ایک شخص منذر بن جارود کو، جو عبید اللہ بن زیاد کا خسر تھا، اس خط کا علم ہو گیا۔ اُس نے خط لے جانے والے قاصد کو گرفتار کر کے عبید اللہ بن زیاد کے سامنے پیش کر دیا۔ ابن زیاد نے قاصد کو تو سولی دے دی اور خود جامع مسجد کے منبر پر چڑھ کر یہ تقریر کی:

"اے اہل بصرہ! امیر المومنین نے مجھے کوفہ کا والی مقرر کیا ہے اور میں عنقریب وہاں جانے والا ہوں۔ اپنے پیچھے میں اپنے بھائی عثمان بن زیاد کو تمہارا حاکم مقرر کر رہا ہوں خبردار جو تم نے اس کے احکام کی خلاف ورزی کی۔ واللہ! اگر مجھے معلوم ہوا کہ تم میں سے کسی شخص نے اُس کے احکام سے سرتابی کی ہے تو نہ صرف یہ کہ اُسے قتل کرا دوں گا بلکہ اُس کے دوستوں اور محلے کے شیخ کو بھی موت کے گھاٹ اتاروں گا۔"

عبید اللہ بن زیاد نے یہ خطبہ اس غرض سے دیا تھا کہ اس کے تہدیدی الفاظ سے اہل بصرہ سہم جائیں اور اُس کے وہاں سے چلے جانے کے بعد بصرہ میں کوئی گڑبڑ نہ ہونے پائے۔ چنانچہ وہ اپنے مقصد میں کامیاب رہا اور اُس کے چلے جانے کے بعد کسی شخص میں عثمان بن زیاد کے احکام سے سرتابی کرنے کا خیال اور حضرت حسینؓ کی حمایت کرنے کا جذبہ پیدا نہ ہوا۔

☆......☆......☆......☆
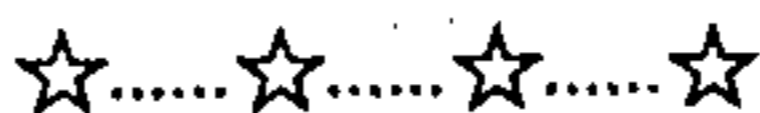
ابنِ زیاد کا جاسُوس

کوفہ کے عامل نعمان بن بشیر بڑے نیک دل حاکم تھے۔ جہاں وہ بنوامیہ کی اطاعت کا دم بھرتے تھے وہاں یہ بھی چاہتے تھے کہ اہل بیتؓ کو کوئی تکلیف نہ پہنچے اور نہ اس کے عہد حکومت میں اُن کا خون بہایا جائے۔ اسی لیے جب مسلم بن عقیل کوفہ پہنچے تو نعمان بن بشیر نے ان سے کوئی تعرض نہ کیا اور اُن کی موجودگی کو بالکل نظر انداز کر دیا۔ ان کے اس طرز عمل سے بنوامیہ کے مددگار اور حامی کبھی مطمئن نہ ہو سکتے تھے اُنھوں نے یزید کو پے در پے خطوط لکھے۔ جن میں نعمان کی کمزوری اور نرمی کا ذکر کرتے ہوئے ایک نئے حاکم کی ضرورت جتائی۔ چنانچہ جیسا کہ ہم پہلے لکھ چکے ہیں، یزید نے ابن سرجون رومی سے مشورہ کیا۔ اُس نے عبیداللہ بن زیاد کو کوفہ کا حاکم بنانے کا مشورہ دیا۔ یزید عبیداللہ کو پسند نہ کرتا تھا۔ اُس نے یہ مشورہ قبول کرنے میں ہچکچاہٹ ظاہر کی۔ ابنِ سرجون نے یہ دیکھ کر کہا:

''اگر آپ کو آپ کے والد محترم کی کوئی رائے بتائی جائے تو کیا آپ اُسے قبول کرلیں گے؟''

یزید نے کہا ''بے شک''۔

ابنِ سرجون نے کہا۔ ''آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ آپ کے والد نے اپنی وفات سے پہلے ابن زیاد کو کوفہ کا حاکم بنانے کا ارادہ کیا تھا اور ابن زیاد کو بھی اپنے ارادے سے مطلع کر دیا تھا لیکن وہ اسے عملی جامہ نہ پہنا سکے۔ آپ کو اپنے والد کی خواہش کا احترام کرتے ہوئے اُسے کوفہ کی ولایت سپرد کر دینی چاہیے۔''

اب یزید کے لیے ابن زیاد کو کوفہ کا حاکم نہ بنانے کا کوئی جواز نہ تھا۔

عبید اللہ بن زیاد بڑا جری، مضبوط اور سخت دل نوجوان تھا۔ امیر معاویہؓ کے زمانے میں سب سے پہلے اسے خراسان کی ولایت سپرد کی گئی۔ ابن عساکر کے قول کے بموجب اس کی عمر اس وقت پچیس سال کی تھی، اُس نے یہاں بڑی بہادری، جرات اور دلیری کا ثبوت دیا۔ دو سال کے عرصے میں اُس نے اس علاقے میں برابر ترکوں سے لڑائی جاری رکھی۔ اس کے بعد اُسے خراسان سے بصرہ تبدیل کر دیا گیا۔ زیاد بن ابیہ کی وفات کے بعد جب خوارج نے سر اُٹھایا اور ملک میں ایک شورش برپا کر دی تو یہ عبید اللہ بن زیاد ہی تھا جس نے بڑی سختی سے اس شورش کو دبایا اور خوارج کا قلع قمع کر دیا۔ عبید اللہ ذکاوت اور فطانت میں اپنے باپ کا ہم پلّہ نہ تھا لیکن سخت گیری میں وہ اس سے بھی بڑھا ہوا تھا۔ جب یزید نے اُسے بصرہ کے ساتھ کوفہ کا بھی والی بنا دیا تو پورے عراق کی حکومت اس کے ہاتھ میں آ گئی اور اس کی قوت و طاقت میں بے پناہ اضافہ ہو گیا۔

ابن زیاد صبح کے وقت کوفہ میں داخل ہوا۔ شدید گرمی پڑ رہی تھی۔ بصرہ کے سربر آوردہ اشخاص شریک بن اعود اور منذر بن جادو وغیرہ اس کے ہم رکاب تھے۔ اُس نے سیاہ عمامہ پہن رکھا تھا اور منہ کو ایک کپڑے سے لپیٹ رکھا تھا۔ اہل کوفہ کو یہ خبر ملی تھی کہ حضرت حسینؓ تشریف لا رہے ہیں۔ جب اُنھوں نے ابن زیاد کو دیکھا تو سمجھے کہ حضرت حسینؓ تشریف لے آئے۔ چنانچہ وہ جس طرف سے بھی گزرتا، تیز آوازیں بلند ہوئیں:

”مرحبا اے ابن رسول اللہ خوش آمدید اے ابن رسول اللہ ﷺ!“

ابن زیاد کچھ نہ بولا اور گھوڑے پر سوار ہوا اور الامارۃ تک پہنچ گیا۔ لوگوں کا ایک کثیر مجمع اُس کے پیچھے تھا۔ جب نعمان بن بشیر نے لوگوں کے شور و غل کی آوازیں سنیں تو اسے بھی حضرت حسینؓ کے تشریف لے آنے کا یقین ہو گیا۔ اُس نے محل کا دروازہ بند کر دینے کا حکم دیا اور خود چھت پر چڑھ گیا۔ سامنے عبید اللہ بن زیاد کھڑا تھا اور اس کے پیچھے سیکڑوں آدمی خوشی کے نعرے لگا رہے تھے۔ نعمان نے اسے حسینؓ سمجھتے ہوئے کہا:

''واللہ! میں اپنی امانت آپ کے سپرد نہ کروں گا۔ مجھے آپ سے لڑنے کی خواہش نہیں اس لیے میں آپ کو اللہ تعالیٰ کی قسم دیتا ہوں کہ آپ پیچھے ہٹ جائیں اور محل میں داخل ہونے کی کوشش نہ فرمائیں۔''

عبیداللہ بن زیاد نے اُسے ڈانٹا اور دروازہ کھولنے کا حکم دیا۔ مجمع میں سے ایک آدمی عبیداللہ کی آواز پہچانتا تھا۔ وہ یہ سن کر پیچھے ہٹا اور لوگوں سے کہنے لگا ''اے لوگو یہ شخص حسینؓ نہیں بلکہ ابن مرجانہ (ابن زیاد) ہے۔ اس کے سوا کوئی نہیں۔''

نعمان بن بشیر نے بھی ابن زیاد کی آواز پہچان لی اور دروازہ کھول دیا۔ ابن زیاد محل میں داخل ہو گیا اور لوگ منتشر ہو گئے۔

ابن زیاد کو آج کا ماجرا دیکھ کر بڑی فکر پیدا ہوئی اور اس نے صورت حال کو جلد سے جلد قابو میں لانا چاہا۔ اگلے روز صبح سویرے منادی کرنے والے سارے شہر میں منادی کر رہے تھے۔ ''الصلوٰۃ جامعۃ'' اُس زمانے میں ہر نیا حاکم اپنا عہدہ سنبھالنے سے پہلے لوگوں کو جامع مسجد میں اکٹھا کر کے پہلے اپنے تقرر کے متعلق شاہی فرمان پڑھ کر سناتا تھا، اس کے بعد اپنے عزائم اور سیاست کے متعلق ایک مفصل تقریر کرتا تھا۔

دستور کے مطابق اگلے روز لوگ جامع مسجد میں جمع ہوئے۔ ابن زیاد منبر پر چڑھا اور یہ تقریر کی:

''امیرالمومنین نے مجھے کوفہ کا حاکم مقرر کیا ہے۔ اُنھوں نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں مظلوموں سے انصاف، فرماں برداروں پر احسان اور غداروں اور نافرمانوں سے سختی کروں۔ میں یہ حکم بجالاؤں گا۔ دوستوں سے میرا سلوک مشفق و مہربان باپ جیسا ہوگا لیکن جو شخص میرے احکام سے سرتابی کرے گا اُسے تلوار کی دھار اور کوڑے کی مار کا مزہ چکھاؤں گا۔ اس لیے ہر شخص کو اپنی جان پر رحم کرنا چاہیے۔''

یہ تقریر کرنے کے بعد وہ منبر سے اترا۔ نعمان بن بشیر اپنے وطن شام کو واپس چلے گئے۔ ابن زیاد نے شہر کے تمام سربرآوردہ اشخاص کو جمع کیا اور انھیں حکم دیا:

''تم اپنے اپنے محلے کے پردیسیوں، خارجیوں اور مشتبہ لوگوں کو پکڑ کر میرے پاس بھیجو جو شخص حکم کی تعمیل کرے گا اسے کچھ نہ کہا جائے گا لیکن جس نے حکم کی تعمیل میں کوتاہی کی اور محلے میں کسی نے امیر المومنین کے خلاف کوئی قدم اٹھایا تو میر محلہ کو اس کے گھر کے دروازے پر پھانسی دے دی جائے گی اور اس محلے کے لوگوں کے وظیفے بند کر دیے جائیں گے۔''

جب مسلم بن عقیل کو عبیداللہ کے کوفہ آنے اور اس کے اس انتظام کی خبر ہوئی تو وہ مختار بن ابی عبید کے گھر سے نکل کر کوفہ کے ایک معزز شخص ہانی بن عروہ مرادی کے پاس آئے اور اس سے پناہ طلب کی ہانی نے جواب دیا۔''آپ مجھے میری طاقت سے بڑھ کر تکلیف دے رہے ہیں۔ اگر آپ میرے گھر میں داخل نہ ہو چکے ہوتے تو میں آپ سے معذوری کا اظہار کر دیتا لیکن اب کہ داخل ہو چکے ہیں، تشریف لے آئیں۔''

اب شیعان اہل بیت نے خفیہ خفیہ ہانی کے مکان پر جمع ہونا شروع کیا اور اس بات کی پوری نگہداشت رکھی کہ ابن زیاد کو مسلم کی جائے قیام کا پتا نہ چل سکے ادھر ابن زیاد کو بھی معلوم تھا کہ مسلم کوفہ میں موجود ہیں۔ اُس نے ان کی قیام گاہ کا پتا چلانے کے لیے ایک جاسوس معقل التیمی کو مقرر کیا۔ اُسے تین ہزار درہم دیے اور ہدایت کی کہ جب مسلم کا پتا چل جائے تو اُن کے پاس جائے اور یہ رقم اُنھیں دے کر بیعت کی درخواست کرے۔

معقل نے ابن زیاد کے حکم کے بموجب سرگرمی سے مسلم کی تلاش شروع کی۔ آخر اُسے ایک بوڑھے شخص مسلم بن عوسجہ اسدی کا پتا چلا جنھوں نے مسلم کے ہاتھ پر حضرت حسینؓ کی بیعت کر رکھی تھی۔ مسلم بن عوسجہ جامع مسجد میں نماز پڑھ رہے تھے۔ معقل بھی وہاں پہنچ گیا اور انتظار کرنے لگا کہ کب وہ نماز ختم کریں اور وہ اُن سے بات کرے جب مسلم نماز سے فارغ ہوئے تو معقل آگے بڑھا اور حرف مطلب زبان پر لایا۔ اُس نے کہا ''میں شام کا رہنے والا ہوں اور اہل بیتؓ سے انتہائی عقیدت رکھتا ہوں۔ مجھے خبر ملی ہے کہ اس خاندان کا ایک شخص یہاں آیا ہوا ہے اور حضرت حسینؓ کی بیعت لے رہا ہے۔ میری

دلی آرزو ہے کہ میں اُن کی زیارت کروں۔ میرے پاس تین ہزار درہم ہیں جو میں اُن کی نذر کرنا چاہتا ہوں۔ مگر مجھے کوئی آدمی ایسا نہ ملا جو مجھے اُن تک پہنچا تا یا اُن کا پتا بتا دیتا۔ اب یہاں کچھ لوگوں کو باتیں کرتے سنا تو معلوم ہوا کہ آپ بھی اسی خاندان سے عقیدت رکھتے ہیں۔ اس لیے میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں کہ آپ یہ رقم مجھ سے لے لیں اور مجھے اُن کی خدمت میں پہنچادیں تا کہ میں اُن سے بیعت کرلوں

مسلم بن عوسجہ نے یہ سن کر کہا " مجھے تمہاری ملاقات سے خوشی بھی ہوئی ہے اور رنج بھی۔ خوشی تو اس بات سے ہوئی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں حُب اہل بیتؑ کی نعمت سے نوازا ہے۔ اور رنج اس بات سے ہے کہ ابھی ہماری تحریک مستحکم نہیں ہوئی لیکن یہ راز اگر پھیل گیا اور ابن زیاد تک یہ خبر پہنچ گئی تو وہ ظلم وستم سے کوئی کسر اُٹھا نہ رکھے گا۔"

معقل اُن کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ سے بیعت کی اور وہ تین ہزار درہم جو ابن زیاد نے اُسے دیے تھے اُن کی خدمت میں پیش کیے۔ مسلم بن عقیل نے یہ رقم ابوثمامہ صائد کو ہتھیار خریدنے کے لیے دے دی۔ اب معقل نے کثرت سے آپ کے پاس آنا جانا شروع کیا۔ وہ سب سے پہلے آپ کے پاس آتا اور سب سے آخر میں آپ سے رخصت ہوتا۔ اس طرح اُس نے آہستہ آہستہ وہ تمام معلومات، جن کی ابن زیاد کو ضرورت تھی، حاصل کرلیں اور اُسے جا کر بتا دیں۔

ہانی بن عروہ کو ابن زیاد سے خطرہ تھا۔ ہانی چونکہ کوفہ کے سر برآوردہ اشخاص میں شمار ہوتا تھا اس لیے اُس کا فرض تھا کہ وہ ابن زیاد کے پاس حاضر ہوتا لیکن اسی خوف کی وجہ سے اُس نے عبید اللہ ابن زیاد کے پاس جانے کی جرات نہ کی اور جان بوجھ کر مریض بن گیا۔ ابن اثیر کی روایت ہے کہ جب ابن زیاد کی علالت کا حال معلوم ہوا تو وہ بیمار پرسی کے لیے خود اُس کے مکان پر آیا۔ اس موقع پر حمارہ بن سلولی نے اُسے مشورہ دیا کہ یہ سرکش انسان اس وقت تمہارے قابو میں آیا ہوا ہے اسے قتل کرڈالو لیکن ہانی نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا اور کہا "میں یہ پسند نہیں کرتا کہ یہ شخص میرے گھر میں قتل کیا جائے"۔ کچھ دنوں

کے بعد کوفہ کا ایک اور رئیس شریک بن اعور بھی بیمار ہو گیا۔ وہ ہانی کے گھر میں مقیم تھا اور ابن زیاد اور کوفہ کے دوسرے امراء اس کی بہت تعظیم کیا کرتے تھے۔ جب ابن زیاد کو معلوم ہوا کہ شریک بن اعور بھی بیمار ہے تو اُس نے کہلا بھیجا کہ وہ رات کو اُس کی عیادت کے لیے آئے گا۔ شریک بن اعور نے مسلم بن عقیل کو بلایا اور کہا۔ یہ فاجر فاسق شخص رات کو میری عیادت کے لیے آئے گا۔ جب یہ آ کر اپنی نشست پر بیٹھ جائے تو تم اچانک اُس پر حملہ کر کے اُسے قتل کر دینا اور اس کے بعد دارالامارۃ پر قبضہ کر لینا۔"

اپنے وعدے کے مطابق رات کو ابن زیاد آیا اور خاصی دیر تک بیٹھا شریک سے باتیں کرتا رہا، اس موقع پر مسلم کو رسول اللہ ﷺ کی حدیث یاد آ گئی۔ جس میں آپ نے فرمایا ہے کہ کوئی مسلمان دوسرے مسلمان پر چھپ کر حملہ نہ کرے۔ اس لیے وہ اپنے کمرے میں خاموش بیٹھے رہے حالانکہ اگر وہ چاہتے تو حملہ کر کے ابن زیاد کو وہیں قتل کر سکتے تھے جب ابن زیاد چلا گیا تو شریک ابن اعور نے مسلم کو بلایا اور اُن سے پوچھا کہ تم خاموش کیوں بیٹھے رہے۔ مسلم نے جواب میں رسول اللہ ﷺ کی حدیث بیان کر دی۔ شریک نے کہا:

"اگر تم اسے قتل کر دیتے تو ایک فاسق، فاجر، کافر اور غاصبانہ آدمی کو قتل کرتے۔"

تین دن کے بعد شریک کا انتقال ہو گیا۔

ہانی بن عروہ برابر بیمار بنا رہا اور ابن زیاد کی مجلس میں حاضر نہ ہوا کچھ عرصے کے بعد ابن زیاد نے پھر پوچھا کہ ہانی اُس کے پاس کیوں نہیں آتا۔ لوگوں نے جواب دیا کہ وہ بیمار ہے۔ اس دوران میں ابن زیاد کو اپنے جاسوس کے ذریعے سے ہانی کے گھر کا سارا حال معلوم ہو چکا تھا۔ اُس نے محمد بن اشعث، اسماء بن خارجہ اور عمرو بن الحجاج کو بلایا اور اُن سے پوچھا:

ہانی بن عروہ ہمارے پاس کیوں نہیں آیا؟

اُنھوں نے جواب دیا "اصل بات کا تو ہمیں علم نہیں البتہ یہ سنا ہے کہ وہ چند روز سے بیمار ہے۔"

ابن زیاد نے کہا'' مجھے باوثوق ذرائع سے معلوم ہوا ہے کہ وہ بالکل تندرست ہے اور روزانہ اپنے گھر کے دروازے پر بیٹھتا ہے۔تم تینوں اُس کے پاس جاؤ اور اُسے ہمارے پاس لے آؤ۔''

چنانچہ یہ تینوں ہانی کے پاس پہنچے وہ واقعی اپنے گھر کے دروازے پر بیٹھا ہوا تھا۔ اُنھوں نے اُسے ابن زیاد کا حکم سنایا اور اپنے ساتھ لے کر ابن زیاد کے دربار میں پہنچے۔اُس وقت ابن زیاد کے پاس قاضی شریح بیٹھے ہوئے تھے۔اُنھوں نے ابن زیاد سے کہا'' لیجیے یہ خائن اپنے پاؤں چل کر آپ کے پاس آ گیا ہے۔''

ابن زیاد نے ہانی کی طرف دیکھ کر یہ شعر پڑھا:

''میں اس کی زندگی چاہتا ہوں اور وہ مجھے قتل کرنا چاہتا ہے۔قبیلہ مراد سے اپنے کسی دوست کو معذرت کے لیے لا۔''

ہانی بن عروہ نے پوچھا'' اے امیر! آپ یہ کیا کہہ رہے ہیں؟''

ابن زیاد نے کہا۔'' خوب! میرے سامنے تمہارا یہ تجاہل عارفانہ کام نہ دے گا۔ بتاؤ تم اپنے مکان میں امیر المومنین کے خلاف کیا کاروائیاں کرتے ہو تم نے مسلم بن عقیل کو اپنے گھر میں چھپا رکھا ہے۔تم اُن کے لیے ہتھیار فراہم کرتے ہو۔اُن کے حامی تمہارے مکان میں جمع ہوتے ہیں اور امیر المومنین کے خلاف سازشیں کرتے ہیں۔کیا تمہیں یہ گمان تھا کہ تمہاری یہ کاروائیاں مجھ سے چھپی رہیں گی؟''

ہانی نے جواب دیا'' نہ میں نے امیر المومنین کے خلاف سازشیں کیں اور نہ مسلم میرے مکان میں موجود ہیں۔''

ابن زیاد نے کہا تم جھوٹ بولتے ہو۔دیکھو تمہارے کرتوت کا ابھی تمہارے سامنے انکشاف ہو جاتا ہے۔یہ کہہ کر اُس نے اپنے جاسوس معقل کو بلایا۔معقل آیا اور ابن زیاد کے سامنے مودبانہ کھڑا ہو گیا۔ابن زیاد نے ہانی سے پوچھا:

''تم اس شخص کو جانتے ہو؟''

ہانی نے کہا ''ہاں''

ہانی پر یہ حقیقت عیاں ہو گئی کہ معقل کو بطور جاسوس مقرر کیا گیا تھا اور اسی نے یہ تمام خبریں ابن زیاد کو پہنچائی ہیں۔ اب اُس کے لیے اعتراف کے سوا کوئی چارہ نہ رہا۔ اُس نے کہا:

''اے امیر! میری بات سُنیے اور جو کچھ میں کہتا ہوں اُس پر یقین کیجیے۔ میں نے خود مسلم کو اپنے گھر پر نہیں بلایا۔ وہ خود میرے مکان پر آئے اور مجھ سے پناہ طلب کی جو مجھے چارو ناچار دینی پڑی۔''

ابن زیاد نے کہا ''اگر یہ بات ہے تو مسلم کو میرے سامنے حاضر کرو۔''

ہانی نے جواب دیا۔ ''یہ تو نہیں ہو سکتا میں اپنے مہمان کو قتل کے لیے آپ کے سپرد کبھی نہ کروں گا۔ واللہ! اگر وہ میرے پاؤں کے نیچے چھپے ہوں گے تو اُس جگہ سے میں اپنا پاؤں نہ اُٹھاؤں گا۔''

یہ سن کر ابن زیاد کو سخت غصہ آیا اور اُس نے ہانی کو چھڑی سے نہایت بے دردانہ پیٹنا شروع کیا۔ چھڑی کی مار سے ہانی کی ناک ٹوٹ گئی اور اُس کا سارا چہرہ شدید زخمی ہو گیا۔ ہانی نے چاہا کہ اپنے قریب کھڑے ہوئے سپاہی سے تلوار چھین کر ابن زیاد کو قتل کر ڈالے لیکن وہ اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہو سکا۔ یہ دیکھ کر ابن زیاد نے کہا ''اب تو اللہ تعالیٰ نے تیرا خون حلال کر دیا۔'' اور حکم دیا کہ اسے محل کے ایک حصے میں لے جا کر قید کر دیا جائے۔''

یہ ظلم دیکھ کر اسماء بن خارجہ سے نہ رہا گیا۔ وہ کھڑا ہوا اور کہنے لگا ''آپ نے ہمیں حکم دیا تھا کہ ہم ہانی کو آپ کی خدمت میں لا کر پیش کر دیں لیکن جب ہم اُسے لے آئے تو آپ نے اس سے یہ سلوک کیا کہ اُس کی ناک توڑ ڈالی اور اُسے زخمی کر دیا۔ اگر ہمیں پہلے سے معلوم ہو جاتا کہ آپ کا یہ ارادہ ہے تو ہم کبھی اُسے آپ کی خدمت میں حاضر نہ کرتے۔

ابن زیاد نے یہ سن کر اُسے بھی زدوکوب کرنے کا حکم دیا۔

ہانی اور اسماء کا یہ حشر دیکھ کر محمد بن اشعث ڈر گیا اور اُس نے حفظِ ماتقدم کے طور پر کہا "امیر نے جو کچھ کہا، اچھا کہا۔ ہمیں امیر کے حکم کی اطاعت کرنی چاہیے اور اُس کا ادب ملحوظِ خاطر رکھنا چاہیے"

عمرو بن الحجاج ہانی کو ابن زیاد کے دربار میں حاضر کر کے خود چلا گیا تھا۔ اُسے خبر ملی کہ ہانی کو قتل کر دیا گیا ہے۔ یہ سُن کر اُس نے مذحج قبیلہ کو اکٹھا کیا اور اُنھیں ساتھ لے کر دالالامارۃ کا محاصرہ کر لینے کے بعد پکار کر کہا:

"میں عمرو بن الحجاج ہوں۔ اور میرے ساتھ مذحج کے شہسوار ہیں ہم نے امیر کی اطاعت ترک نہیں کی لیکن ہمیں یہ خبر ملی ہے کہ ہمارا سردار ہانی قتل کر دیا گیا ہے۔ ہم اُس کا انتقام لیے بغیر نہ رہیں گے۔"

عبید اللہ بن زیاد یہ سن کر قاضی شریح کو جو محل ہی میں موجود تھے حکم دیا ہانی کے پاس جائیں اور دیکھیں کہ وہ زندہ ہے یا نہیں اور اس کے بعد جا کر مجمع کو مطمئن کر دیں کہ ہانی زندہ ہے۔ چنانچہ قاضی شریح پہلے ہانی کے پاس پہنچے۔ ہانی نے بھی شور وغل کی آوازیں سن لی تھیں۔ اُس نے کہا "میرا خیال ہے کہ یہ آوازیں قبیلہ مذحج کی ہیں۔" جب قاضی شریح کو ہانی کی زندگی کا یقین ہو گیا تو وہ ابن زیاد کے جاسوس کو لے کر مجمع کے پاس پہنچے اور کہا:

"امیر نے مجھے حکم دیا تھا کہ میں ہانی کے پاس جاؤں چنانچہ میں اُس کے پاس سے آ رہا ہوں میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ وہ زندہ ہے اور اُس کے قتل کیے جانے کی خبر بالکل جھوٹ ہے۔ البتہ امیر نے اسے پوچھ گچھ کے لیے قید کر رکھا ہے۔"

عمرو بن الحجاج اور اُس کے ساتھیوں نے یہ سن کر کہا۔ "اگر ہانی کو قتل نہیں کیا گیا تو خیر ہے" یہ کہہ کر وہ واپس چلے گئے۔

☆......☆......☆

مسلم بن عقیل کی شہادت

اپنے میزبان ہانی کے قید کر لیے جانے کے بعد مسلم بن عقیل نے محسوس کیا کہ اب اُن کے لیے اپنی مدافعت کرنے اور ابن زیاد کا زور توڑ دینے کے سوا کوئی چارہ کار باقی نہیں۔ انھوں نے اپنے حامیوں کو جمع کرنا شروع کیا۔ چنانچہ تھوڑے ہی دنوں میں چار ہزار آدمی اکٹھے ہو گئے۔ مسلم نے اپنا شعار یا منصور اُمت مقرر کیا اور با قاعدہ فوج ترتیب دے کر ہر حصّہ فوج کے سالار مقرر کر دیے۔ عبدالرحمان بن کریز کندی کو قبیلہ کندہ در بیعہ پر، مسلم بن عوسجہ اسدی کو قبیلہ مذحج اور اسد پر، ابو تمامہ صائدی کو تمیم اور ہمدان کے لوگوں پر اور عباس بن جعدہ بن ہبیرہ کو قریش اور انصار پر مقرر کیا۔ جب مقدمہ، میمنہ اور میسرہ مقرر کر لیے تو اُس فوج کو لے کر دارالامارۃ کی طرف کوچ کر دیا اور اُسے گھیرے میں لے لیا۔ اُس وقت محل میں صرف تیس محافظ اور بیس معززین شہر موجود تھے۔

یہ دیکھ کر ابن زیاد نے کثیر بن شہاب کو بلایا اور اُسے حکم دیا کہ وہ قبیلہ مذحج کے پاس جائے اور اُنھیں جنگ کی شدت اور یزید کی سزاؤں کا ڈراوا دے کر مسلم بن عقیل کا ساتھ چھوڑنے پر مجبور کرے۔ اسی طرح محمد بن اشعث کو بلا کر حکم دیا کہ وہ کندہ اور حضر موت کے قبائل کے پاس جائے اور امان کا علم بلند کرتے ہوئے انھیں ڈرا دھمکا کر مسلم کا ساتھ چھوڑ دینے کی ترغیب دے۔ باقی لوگوں کو جو اُس وقت اُس کے پاس موجود تھے اُس نے قید کر دیا۔

حکم کی تکمیل میں کثیر بن شہاب اور محمد بن اشعث محل سے باہر نکلے اور اپنے اپنے

قبیلے والوں پر اثر ڈال کر اُنھیں مسلم کی فوج سے علیحدہ کرنے لگے۔ اُنھیں اس میں خاصی کامیابی ہوئی اور سینکڑوں آدمی مسلم کی فوج سے علیحدہ ہو کر ان دونوں کے گرد جمع ہو گئے۔ وہ اُن لوگوں کو ساتھ لے کر قصر الامارۃ میں داخل ہو گئے لیکن مسلم بن عقیل کے پاس اب بھی خاصی فوج موجود تھی اور وہ اس کے ذریعے سے یقیناً ابن زیاد کو شکست دے سکتے تھے۔ شام ہو گئی، پلّہ مسلم کا بھاری تھا۔ اور کوئی چارہ کار نہ دیکھ کر ابن زیاد نے باقی لوگوں کو جنھیں اُس نے اپنے محل کے ایک کمرے میں بند کر رکھا تھا، بلایا اور اُنھیں حکم دیا کہ وہ بھی مسلم کے لشکر میں جائیں اور انھیں دھمکیاں اور ڈراوے دے کر مسلم سے برانگیختہ کریں۔

چنانچہ وہ لوگ مسلم کے لشکر میں آئے اور انھوں نے لوگوں کو یہ کہہ کر مسلم سے علیحدہ کرنا شروع کیا کہ "تم اپنی جانوں پر رحم کرو اور خواہ مخواہ اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو امیر المومنین کا لشکر کوفہ کی طرف بڑھا چلا آ رہا ہے۔ تم اُس کا مقابلہ کس طرح کر سکو گے؟ ابن زیاد نے بھی یہ عہد کر لیا ہے کہ اگر تم نے مسلم کا ساتھ نہ چھوڑا اور اپنے اپنے گھروں کو واپس نہ گئے تو وہ تمہاری اولاد کے روزینے قطعاً بند کر دے گا اور اس شدت سے پکڑ دھکڑ کرے گا کہ تم لوگ بالکل تباہ ہو کر رہ جاؤ گے۔"

یہ دھمکیاں اہل کوفہ پر کارگر ہونے لگیں اور وہ رفتہ رفتہ مسلم کا ساتھ چھوڑنے لگے یہاں تک کہ ان کے پاس صرف تیس آدمی رہ گئے جنھیں ساتھ لے کر انھوں نے مغرب کی نماز پڑھی جب اندھیرا چھا گیا تو وہ یہ تیس آدمی بھی آپ کو چھوڑ کر چلے گئے اور ایک بھی آدمی ساتھ نہ رہا جو آپ کو گھر کا راستہ بتاتا آپ کی ڈھارس بندھاتا، نا اُمید ہو کر وہ کوفہ کی گلیوں میں پھرنے لگے۔ ان کی سمجھ میں نہ آتا تھا کہ اب کہاں جائیں پھرتے پھرتے وہ قبیلہ کندہ کی ایک عورت طوعہ کے مکان پر پہنچے۔ وہ اشعث بن قیس کی لونڈی تھی جسے اشعث نے آزاد کر دیا تھا۔ آزادی کے بعد ایک شخص اسید حضرمی نے اس سے نکاح کر لیا جس سے ایک لڑکا بلال پیدا ہوا۔ اس وقت بلال کہیں باہر گیا ہوا تھا اور اس کی والدہ اس کا انتظار کر رہی تھی۔ مسلم نے آگے بڑھ کر اُسے سلام کیا اور پانی مانگا طوعہ نے پانی پلایا۔ پانی پینے کے

بعد بھی مسلم وہیں ٹھہرے رہے۔عورت نے کہا۔اب اپنے گھر جاؤ۔" مسلم خاموش رہے۔عورت نے پھر کہا"اب اپنے گھر جاؤ"۔ مسلم پھر خاموش رہے۔اب طوعہ نے ذرا سختی سے کہا"میں تم سے کہتی ہوں کہ اپنے گھر جاؤ۔میرے دروازے پر تمھارا کھڑا رہنا مناسب نہیں۔"

مسلم نے کہا"اے محترم خاتون!اس شہر میں نہ میرا گھر ہے اور نہ اہل وعیال میں تم سے ایک درخواست کرتا ہوں۔مجھے امید ہے کہ تم اسے منظور کرلوگی۔شاید میں تمہیں بعد میں اس کا بدلہ دے سکوں۔"

عورت نے پوچھا"تمہاری درخواست کیا ہے"۔

مسلم نے کہا"میں مسلم بن عقیل ہوں۔کوفہ والوں نے میرا ساتھ چھوڑ دیا ہے اور اب میں بالکل بے یارو مددگار ہوں۔تم مجھے اپنے یہاں پناہ دے دو۔"

طوعہ نے انھیں اپنے گھر کی ایک کوٹھڑی میں چھپا دیا۔ان کے لیے بستر بچھایا اور انھیں کھانا پیش کیا لیکن اُنھوں نے کھانا نہ کھایا۔اسی دوران میں اس کا بیٹا بلال بھی آ گیا۔اُس نے دیکھا کہ اُس کی والدہ کوٹھڑی میں بار بار جا رہی ہے اسے بڑا تعجب ہوا اور اُس نے پوچھا کہ وہ اس کوٹھڑی میں بار بار کیوں آ جا رہی ہے؟ پہلے تو طوعہ نے بتانے سے انکار کر دیا لیکن جب بلال کا اصرار بڑھتا چلا گیا تو اُس نے یہ قسم لے کر کہ وہ کسی کو کانوں خبر نہ کرے گا۔مسلم کا سارا ماجرا کہہ سنایا۔

جب مسلم بن عقیل کے حامیوں کی آوازیں آنا بند ہو گئیں تو ابن زیاد نے اپنے لوگوں کو حکم دیا کہ جا کر دیکھیں،اب باغیوں کا کیا حال ہے۔وہ گئے اور واپس آ کر بتایا کہ اب مسلم کے حامیوں میں سے کوئی بھی شخص نظر نہیں آتا۔یہ سن کر ابن زیاد مسجد کی جانب کا دروازہ کھول کر اپنے ساتھیوں کے ہمراہ مسجد میں آیا جو دار الامارہ سے بالکل متصل تھی۔ شمعیں اور قندیلیں روشن کی گئیں۔اور عمرو بن نافع کو کوفہ میں یہ منادی کرنے کے لیے بھیجا گیا کہ شہر کے تمام محافظ اور محلوں کے تمام بالغ مرد عشاء کی نماز مسجد میں پڑھیں،جو شخص مسجد

میں حاضر نہ ہوگا اُس کی خیر نہ ہوگی۔

منادی کرنے کی دیر تھی کہ لوگ مسجد میں آنے شروع ہو گئے اور تھوڑی دیر میں ساری مسجد بھر گئی۔ نماز عشا کے وقت ابن زیاد نے محافظوں کو جابجا کھڑا کر دیا تا کہ بے خبری میں کوئی شخص اُس پر حملہ نہ کر سکے پھر خود نماز پڑھانے کھڑا ہوا۔ نماز کے بعد وہ منبر پر چڑھا اور کہنے لگا،

''لوگو! بے وقوف اور جاہل مسلم بن عقیل نے یہاں آ کر تفرقہ اور فساد کا جو بازار گرم کیا اُس کا حشر تمھارے سامنے ہے۔ یاد رکھو جس شخص کے گھر میں اس کا سراغ ملا وہ زندہ نہ بچ سکے گا۔ اللہ تعالیٰ سے ڈرو، اپنی بیعت پر قائم رہو اور فتنہ وفساد کی راہیں تلاش نہ کرو۔''

اس کے بعد اُس نے حصین بن نمیر کو حکم دیا کہ کوفہ کے ہر گھر کی تلاشی لی جائے اور مسلم کو گرفتار کر کے اُس کے سامنے پیش کیا جائے۔

طوعہ کے لڑکے بلال بن اسید نے اس خیال سے کہ اگر اس کے گھر کی تلاشی لی گئی تو پھر اس کی خیر نہیں، یہ راز افشا کر دینے کا فیصلہ کیا۔ وہ صبح سویرے عبدالرحمان بن محمد بن اشعث کے پاس گیا اور اسے بتایا کہ مسلم بن عقیل اُس کے مکان میں چھپے ہوئے ہیں۔ عبدالرحمان کا باپ محمد بن اشعث اس وقت ابن زیاد کے پاس گیا ہوا تھا۔ وہ فوراً اس کے پاس پہنچے اور سارا ماجرا کہہ سنایا۔ ابن زیاد نے محمد بن اشعث سے کہا کہ فوراً جائے اور مسلم کو گرفتار کر کے ہمارے حضور پیش کرے۔ ساتھ ہی پولیس کے ساتھ ستر آدمی کر دیے جو سب کے سب قریشی میں تھے۔

ابن اشعث ساٹھ ستر سپاہیوں کے ہمراہ طوعہ کے مکان پر آیا جہاں مسلم بن عقیل چھپے ہوئے تھے۔ مسلم نے جب گھوڑوں کی ٹاپوں اور لوگوں کے شور وغل کی آوازیں سنیں تو انھوں نے سمجھ لیا کہ دشمن آ پہنچے۔ اُنھوں نے تلوار ہاتھ میں سنبھالی اور باہر نکل آئے۔ دشمنوں نے انھیں گرفتار کرنے کی کوشش کی لیکن اُنھوں نے تلوار کے جوہر دکھانے شروع

کیے اور دشمنوں کو مکان سے باہر دھکیل دیا۔ سپاہیوں نے دوبارہ مکان پر حملہ کیا لیکن مسلم نے کسی کو پاس تک نہ پھٹکنے دیا۔ جب انھوں نے یہ حالت دیکھی تو گھر کی پشت پر سے چھت پر چڑھ گئے اور وہاں سے پتھر اور آگ پھینکنی شروع کی۔ جب مسلم نے یہ دیکھا تو وہ تلوار ہاتھ میں لیے گھر سے باہر نکل آئے اور گلی میں دشمنوں کا مقابلہ شروع کر دیا۔ یہ دیکھ کر محمد بن اشعث نے کہا:

''آپ کیوں اپنی جان بے فائدہ گنواتے ہیں؟ میں آپ کو امان دیتا ہوں، آپ اپنے آپ کو میرے حوالے کر دیں۔''

مسلم بن عقیل زخموں سے چور ہو چکے تھے اور گھر کی دیوار سے ٹیک لگائے کھڑے تھے۔ انھوں نے کوئی جواب نہ دیا۔ ابن اشعث نے دوبارہ اپنا قول دُہرایا جس پر مسلم نے پوچھا ''کیا واقعی تم مجھے امان دینے کا عہد کرتے ہو؟''

ابن اشعث نے کہا ''ہاں! میں تمھیں امان دینے کا عہد کرتا ہوں۔'' دوسرے لوگوں نے بھی آپ کی حفاظت کا یقین دلایا۔

مسلم نے کہا ''اگر مجھے امان نہ دیتے تو میں کبھی اپنے کو تمہارے حوالے نہ کرتا۔'' اس کے بعد ایک خچر لایا گیا اور آپ کو اس پر سوار کرایا گیا۔ جب آپ خچر پر سوار ہو گئے تو سپاہیوں نے چاروں طرف سے یورش کر کے آپ کی تلوار آپ کے ہاتھ سے چھین لی۔ یہ دیکھ کر آپ کو یقین ہو گیا کہ مجھ سے دھوکا کیا گیا ہے۔ اُن کی آنکھیں ڈبڈبا آئیں اور اُنھوں نے کہا ''اللہ تعالیٰ کی مشیت اسی طرح تھی۔''

محمد ابن اشعث نے کہا ''مجھے امید ہے کہ آپ کو کوئی نقصان نہ پہنچے گا۔''

مسلم نے یہ سن کر جواب دیا ''تمہارا خیال ہے کہ مجھے کوئی تکلیف نہ پہنچے گی۔ تمہاری امان جو تم نے مجھے ابھی دی تھی، کہاں گئی؟ لیکن میں انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھنے کے سوا کیا کر سکتا ہوں؟'' یہ کہتے کہتے اُن کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ اُنھیں روتا دیکھ کر عبداللہ بن عباس سلمی نے کہا:

"جس کام کے لیے تمہیں مقرر کیا گیا تھا اگر کسی دوسرے کو اسی کام پر مقرر کیا جاتا اور اُس پر وہی اُفتاد پڑتی جو تم پر پڑ رہی ہے تو وہ کبھی نہ روتا۔"

مسلم بن عقیل نے کہا "تمھارا خیال ہے کہ میں موت کے خوف سے رو رہا ہوں؟ ہرگز نہیں۔ مجھے اپنی جان کی پروا نہیں اور نہ مجھے قتل کیے جانے کا کوئی خوف ہے۔ بلکہ میں اپنے خاندان کے اُن لوگوں پر رو رہا ہوں جو عنقریب تمھارے پاس پہنچنے والے ہیں۔ میں حسینؓ اور آلِ حسینؓ کا ماتم کر رہا ہوں۔" اس کے بعد انھوں نے محمد بن اشعث سے کہا:

"میرا یقین ہے کہ تم مجھے قتل ہونے سے نہ بچا سکو گے البتہ میں تم سے درخواست کرتا ہوں کہ تم اپنے کسی آدمی کو میرے بھائی حسینؓ کے پاس بھیج کر اُنھیں میرے حال کی اطلاع کرا دینا اور میری طرف سے کہلا بھیجنا کہ وہ اہل کوفہ کے دھوکے میں نہ آئیں کیونکہ یہ وہی لوگ ہیں جن سے چھٹکارا پانے کی اُن کے والد ہمیشہ آرزو کرتے رہے اور کہہ دینا کہ اہل کوفہ آپ کی مخالفت پر کمربستہ ہیں اس لیے اپنے اہل و عیال کو لے کر وطن لوٹ جائیں۔"

ابن اشعث نے وعدہ کیا کہ وہ اُن کا یہ پیغام حضرت حسینؓ کو پہنچا دے گا۔ اور یہ بھی کہا وہ ابن زیاد کو بھی مطلع کر دے گا کہ اُس نے اُنھیں پناہ دے رکھی ہے۔

چنانچہ اُس نے ایاس بن عقیل طائی کو بلایا اور ایک خط میں وہ تمام باتیں لکھ کر جو مسلم نے کہی تھیں، ایاس کے حوالے کرتے ہوئے کہا کہ یہ خط حسینؓ کو جس قدر جلد ممکن ہو پہنچا دو۔

اس کے بعد مسلم بن عقیل کو لے کر وہ ابن زیاد کے محل میں پہنچا اور اطلاع کرائی۔ ابن زیاد نے اُسے اندر بلا لیا۔ ابن اشعث نے اندر جا کر اُسے مسلم کا سارا ماجرا سنایا اور یہ بھی کہا کہ اُس نے مسلم کو امان دی ہے اس لیے انہیں کچھ نہ کہا جائے۔ ابن زیاد نے کہا تم امان دینے والے کون ہوتے ہو؟ ہم نے تمہیں اس لئے نہ بھیجا تھا کہ اُسے امان دو بلکہ اس لیے بھیجا تھا کہ اُسے گرفتار کر کے ہمارے سامنے پیش کرو۔"

ابن اشعث کیا کہہ سکتا تھا؟ خاموش ہو گیا۔ ابن زیاد نے مسلم کو اپنے حضور پیش ہونے کا حکم دیا۔ چنانچہ اُنھیں اُس کے سامنے پیش کیا گیا۔ جب وہ ابن زیاد کے سامنے پہنچے تو اُنھوں نے اُسے سلام نہ کیا محافظ نے کہا:

"امیر کو سلام کرو۔"

مسلم نے جواب دیا "اگر امیر مجھے قتل کرنا چاہتا ہے تو مجھے اُسے سلام کرنے کی کوئی ضرورت نہیں، لیکن اگر اُس کا ارادہ مجھے قتل کرنے کا نہیں تو میں سلام کرنے کو تیار ہوں۔"

ابن زیاد نے کہا "مجھے اپنی جان کی قسم میں تجھے ضرور قتل کروں گا۔"

مسلم نے کہا "واقعی؟"

ابن زیاد نے جواب دیا "ہاں"۔

مسلم نے کہا "پھر مجھے تھوڑی سی مہلت دو، میں کسی شخص کو وصیت کردوں۔"

ابن زیاد نے اجازت دے دی۔

مسلم نے درباریوں کی طرف نظر دوڑائی۔ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کا لڑکا عمرو بیٹھا تھا۔ انھوں نے کہا "اے عمرو! میرے اور تمہارے درمیان قرابت داری ہے، میں تم سے کچھ کہنا چاہتا ہوں۔ تم یہاں سے ہٹ کر میری ایک بات سن لو۔ عمرو نے سنی ان سنی کر دی۔ ابن زیاد نے یہ دیکھ کر عمرو سے کہا "تم اپنے چچیرے بھائی کی بات کیوں نہیں سُنتے؟ جاؤ اور اس کی بات سنو۔" چنانچہ وہ اُٹھا مسلم اُسے لے کر محل کے ایک گوشے میں چلے گئے جہاں سے ابن زیاد اُنھیں دیکھ سکتا تھا۔ وہاں پہنچ کر مسلم نے عمرو سے کہا:

"کوفہ آنے کے بعد میں نے لوگوں سے سات سو درہم قرض لیے تھے۔ یہ قرض میں ادا نہیں کر سکا۔ تم میری تلوار اور زرہ بیچ کر یہ قرض ادا کر دینا۔ دوسرے یہ کہ جب میں قتل کر دیا جاؤں تو میری نعش ابن زیاد سے لے کر حسینؓ کے پاس بھیج دینا تاکہ وہ اُسے دیکھ کر لوٹ جائیں۔ میں اُنھیں لکھ چکا ہوں کہ کوفہ کے لوگ آپ کے ساتھ ہیں اور میرا خیال ہے کہ وہ چند روز تک یہاں پہنچنے والے ہیں۔"

عمرو نے واپس آ کر تمام باتیں ابن زیاد کو بتا دیں۔ ابن زیاد نے عمرو کو مسلم کی خواہشات پوری کرنے کی اجازت دے دی اور خود مسلم سے اس طرح مخاطب ہوا:

"امین کبھی تیری خیانت نہ کرے گا تیرا مال تیری ہی ملکیت ہے اور تو اُسے جہاں

چاہے خرچ کر سکتا ہے۔ ہم اسے ہرگز نہ روکیں گے۔ رہی تیری نعش تو ہمیں اس بات سے کوئی دلچسپی نہیں کہ قتل کے بعد اس کا کیا بنتا ہے۔ حسینؓ کے متعلق جو کچھ تو نے کہا ہے اگر انھوں نے ہمارا مقابلہ نہ کیا تو ہم بھی ان سے چھیڑ چھاڑ نہ کریں گے۔'' اس کے بعد ابن زیاد نے کہا:

''اے ابن عقیل! لوگ آپس میں متحد اور متفق تھے۔ تم نے آ کر لوگوں میں تفرقہ ڈالا اور بھائیوں کو بھائیوں سے لڑا دیا۔ آخر تم نے یہ کام کس مقصد سے کیا؟''

مسلم نے جواب دیا ''جو کچھ تم کہتے ہو، غلط ہے تمہارے باپ نے اُن کے بزرگوں اور نیک لوگوں کو قتل کیا اور اُن کا خون بہایا اور اپنے عہد میں کسریٰ وقیصر کی روایات تازہ کر دیں۔ ہم یہاں آئے تا کہ عدل وانصاف قائم کریں اور لوگوں کو کتاب وسنت کے احکام پر عمل کرنے کی دعوت دیں۔''

ابن زیاد نے کہا'' کہاں تم اور کہاں کتاب وسنت کے احکام پر عمل کرنے کی دعوت اللہ تعالیٰ مجھے تباہ کرے اگر میں تمھیں اس طرح قتل نہ کروں کہ زمانہ اسلام میں آج تک اور کسی کو اس طرح قتل نہ کیا گیا ہو''

مسلم نے جواب دیا'' واقعی اسلام میں بدعتیں پیدا کرنے کے تم سب سے زیادہ حق دار ہو۔ خباثت اور کمینگی میں تمہارا کوئی ثانی نہیں۔''

اس پر ابن زیاد اور مسلم میں تلخ کلامی شروع ہو گئی۔ آخر ابن زیاد نے بکیر بن عمران الاحمری کو حکم دیا کہ مسلم کو محل کی چھت پر لے جائے اور وہاں ان کی گردن اڑا دے چنانچہ بکیر انھیں اپنے ساتھ لے گیا۔ مسلم برابر تکبیر استغفار اور درود پڑھ رہے تھے:

''اے اللہ! ہمارے اور اس قوم کے درمیان تو خود ہی فیصلہ فرما جس نے ہمیں دھوکا دیا اور جس نے ہمیں جھٹلایا۔''

محل کے سامنے لوگوں کا ایک جم غفیر موجود تھا۔ بکیر نے مسلم کو چھت پر لے جا کر سب لوگوں کے سامنے اُن کی گردن اُڑا دی۔ آپ کی شہادت ۹ ذوالحجہ ۶۰ھ مطابق ۱۰ ستمبر

۶۸۰ء کو بدھ کے دن ہوئی۔

مسلم بن عقیل کا یہ انجام دیکھ کر محمد بن اشعث کو ہانی بن عمرو کی طرف سے فکر پیدا ہوا جسے ابن زیار نے اپنے محل میں قید کر رکھا تھا اس نے ابن زیاد سے کہا!

آپ کو معلوم ہے کہ ہانی کس رتبے کا انسان ہے اور کوفہ میں اس کا اور اس کے خاندان کا کتنا اثر ہے لوگوں کو پتا ہے کہ میں ہی اسے آپ کے پاس لایا تھا اس لیے میں آپ سے التجا کرتا ہوں کہ آپ اسے کوئی ضرر نہ پہنچائیں ورنہ میری خیر نہ ہوگی

ابن زیادہ نے ابن اشعث کو یقین دلایا کہ ہانی کو کسی قسم کی کوئی تکلیف نہ دی جائے گی۔ لیکن وہ وعدے پر قائم نہ رہا اور بعد میں حکم دے دیا کہ بازار میں لے جا کر ہانی کی گردن اُڑا دی جائے سپاہی اسے لے کر جب بازار میں پہنچے تو ہانی نے مذحج قبیلے کو اپنی مدد کے لیے پکارا لیکن کوئی شخص نہ آیا آخر اس نے اپنی قوت بازو سے کام لیا اور اپنا ہاتھ محافظ سے چھڑا لیا لیکن سپاہی فوراً اس پر ٹوٹ پڑے اور دوبارہ اس کی مشکیں کس لیں۔ اس کے بعد ابن ذیاد کے ایک ترکی غلام رشید نے تلوار نکال کر اس کا کام تمام کر دیا۔

حمد بن داود دینوری کی روایت یہ ہے کہ ابن زیاد نے ہانی کے قتل کا حکم اسی وقت دے دیا تھا۔ جب عمرو بن الحجاج مذحج قبیلے کو لے کر قصر الامارۃ پر حملہ آور ہوا تھا۔ اور ابن زیاد کی طرف سے یہ یقین دلانے پر کہ ہانی زندہ ہے وہ واپس چلا گیا تھا۔ دینوری نے لکھا ہے۔ جب ابن زیاد کو معلوم ہوا کہ مذحج قبیلہ واپس چلا گیا ہے تو اُس نے حکم دیا کہ ہانی کو بازار میں لے جا کر قتل کر دیا جائے چنانچہ اسی وقت اس کے حکم کی تعمیل کر دی گئی۔

مسلم بن عقیل اور ہانی بن عروہ کی شہادت کے بعد ابن زیاد نے ہانی بن ابی حیۃ الوداعی اور زبیر بن الا روح تمیمی کو بلایا اور حکم دیا کہ وہ مقتولین کے سر یزید کے پاس لے جائیں اور اپنے کاتب عمرو بن نافع کو ہدایت کی کہ وہ امیر المومنین کے نام ایک خط کا مسودہ بنا کر پیش کرے۔ عمرو بن نافع نے جو مسودہ پیش کیا وہ بہت لمبا تھا ابن زیاد اسے دیکھ کر جھلا اُٹھا اور کہنے لگا:

''ان طول طویل باتوں اور فضولیات سے کیا فائدہ؟'' پھر خود خط کی عبارت لکھوائی:

اللہ تعالیٰ کا شکر ہے جس نے امیر المومنین کا حق ضائع نہ ہونے دیا اور اُن کے دشمنوں کو نیست و نابو کیا۔ امیر المومنین کو معلوم ہو گیا ہوگا کہ مسلم بن عقیل نے ہانی بن عروہ مرادی کے گھر میں پناہ لی تھی۔ میں نے ان دونوں پر اپنے جاسوس مقرر کر دیے تھے۔ انتہائی ہوشیاری اور مختلف تدابیر سے کام لے کر میں نے ان دونوں کا پتا لگایا۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے ان دونوں کی گرفتاری کی توفیق عطا فرمائی۔ میں نے ان دونوں کی گردنیں اڑا دیں اور ان کے سر آپ کی خدمت میں ہانی بن ابی حیۃ الوداعی اور زبیر بن الاروح تمیمی کے ہاتھ بھیج رہا ہوں۔ یہ دونوں امیر المومنین کے فرماں بردار ہیں۔ واقعات کی تفصیل آپ ان سے پوچھ سکتے ہیں کیونکہ انھیں تمام حالات کا اچھی طرح پتا ہے۔

والسلام۔''

جب یزید کے پاس ابن زیاد کا خط اور مسلم اور ہانی کے سر پہنچے تو وہ بہت خوش ہوا اور ابن زیاد کو جواب میں یہ خط لکھا:

''تمہارا مکتوب اور مسلم اور ہانی کے سر پہنچے۔ تم نے جو کچھ کیا وہ انتہائی دانش مندی و شجاعت کا کام تھا اور حالات کے عین مطابق مجھے خوشی ہے کہ جو کام میں نے تمہارے سپرد کیا تھا اس کے بجا آوری میں تم نے کسی قسم کی کوتاہی سے کام نہ لیا۔ میں نے تم سے جو اُمیدیں وابستہ کر رکھی تھیں تم نے اُنھیں پورا کر دکھایا۔ میں نے تمہارے قاصدوں سے تمام حالات تفصیل سے پوچھے میں نے اُنھیں ویسا ہی پایا جیسا تم نے خط میں لکھا تھا۔ مجھے معلوم ہوا ہے کہ حسینؓ عراق کی طرف روانہ ہو چکے ہیں۔ تم نگرانی اور جاسوسی کا انتظام سختی سے کرو۔ کسی کی طرف سے ذرا بھی شک ہو تو اُسے قید کر دو۔ جس شخص پر بغاوت کا جرم ثابت ہو جائے اُسے قتل کر دو۔

تمہارے مقابلے میں تلوار نہ اُٹھائے تم بھی اس کے مقابلے میں تلوار نہ اُٹھاؤ۔تمام پیش آمدہ حالات سے مجھے مطلع کرتے رہو۔"

اس پوری سرگزشت سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مسلم کو جرات اور دلیری کا بے نظیر ملکہ ودیعت کیا تھا۔وہ ابن زیاد کے دربار میں حاضر ہوتے ہیں لیکن اُن کی کسی ایک بات سے بھی خوف اور ڈر کا اظہار نہیں ہوتا۔وہ نہایت دلیرانہ ابن زیاد سے باتیں کرتے ہیں اور اس کی سخت گیری کو قطعاً خاطر میں نہیں لاتے۔اس سے بھی بڑھ کر آپ کی جرات کا ثبوت اس بات سے ملتا ہے کہ آپ دشمنوں کے ہاتھ میں گرفتار ہو چکنے کے باوجود حضرت حسینؓ کو یہ پیغام بھجوانے کا اہتمام کرتے ہیں کہ کوفہ کے لوگ قطعاً اعتبار کے قابل نہیں اور وہ اپنی بیعت فسخ کر کے ابن زیاد سے مل چکے ہیں،اس لیے آپ یہاں آنے کا قصد نہ فرمائیں کیونکہ اگر آپ یہاں تشریف لے آئے تو وہ آپ سے بھی وہی سلوک کریں گے جو اُنھوں نے مجھ سے کیا ہے۔آپ کے ساتھ آپ کے چند جان نثار ساتھیوں اور اہل وعیال کے سوا کوئی نہ ہوگا جو کسی صورت میں بھی ابن زیاد کی مضبوط فوج کا مقابلہ نہ کر سکیں گے۔

☆......☆......☆

کوفہ کو روانگی

یزید نے جب سُنا کہ مدینہ منورہ کے عامل ولید بن عتبہ کی غفلت اور بے پروائی سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے حضرت حسینؓ مدینہ منورہ سے نکل کر مکہ مکرمہ پہنچ گئے اور وہ اُن سے بیعت نہ لے سکا تو اُس کی جگہ عمرو بن سعید کو مدینہ منورہ کا والی مقرر کر دیا۔ حضرت حسینؓ مکہ مکرمہ میں ۳ شعبان ۶۰ھ مطابق ۹ مئی ۶۸۰ء کو رات کے وقت داخل ہوئے تھے۔ شعبان، رمضان، شوال اور ذیقعدہ کے مہینے آپؓ نے مکہ مکرمہ میں گزارے اور ۸ ذوالحجہ ۶۰ھ مطابق ۹ ستمبر ۶۸۰ء کو وہاں سے کوفہ روانہ ہوئے۔ مکہ مکرمہ میں آپؓ کے دوران قیام میں حجاز اور بصرہ کے متعدد اشخاص نے آپؓ کے پاس آ کر اپنی خدمات پیش کیں اور آپؓ کے لیے ہر قربانی کرنے پر آمادگی ظاہر کی۔ اس طرح آپؓ کے مددگاروں میں اضافہ ہوتا چلا گیا۔

جب آپ کو مسلم بن عقیل کا خط ملا کہ آپؓ بے خطرہ کوفہ تشریف لے آئیں اہل عراق آپؓ کے حامی ہیں اور بنی اُمیہ سے بیزار تو آپؓ نے عراق جانے کی تیاریاں شروع کر دیں۔ جب آپ کے دوستوں اور رشتہ داروں کو آپؓ کے اس ارادے کا علم ہوا تو انھوں نے آپؓ کو اس سے باز رکھنے کی کوشش کی۔ عبداللہ بن زبیر جب مکہ میں موجود تھے، آپؓ کے پاس آئے اور کہا:

''آپؓ حجاز میں مقیم رہ کر لوگوں کو اپنی خلافت کی دعوت دیجیے اور اہل عراق کو کہیے کہ وہ یہاں آ کر آپؓ کی مدد کریں۔ ہم لوگ بھی آپؓ کی ہر قسم کی مدد کریں گے۔''

حضرت حسینؓ نے مشورے کو رد کرتے ہوئے کہا ''میں نے اپنے والد سے سنا ہے کہ حرم کا ایک مینڈھا حرم کی ایک حرمت زائل کرنے کا باعث ہوگا۔ میں وہ مینڈھا نہیں بننا چاہتا۔''

عبداللہ بن عباس یہ خبر سُن کر پاس آئے اور کہنے لگے ''لوگوں میں اس بات کا چرچا ہے کہ آپ عراق جارہے ہیں، کیا واقعی آپ کا ارادہ یہی ہے؟''

حضرت حسینؓ نے جواب دیا ''ہاں! میں انشاء اللہ ایک دو دن میں عراق روانہ ہو جاؤں گا۔''

ابن عباس نے کہا ''میں آپ کو اللہ تعالیٰ کا واسطہ دیتا ہوں کہ آپ اس ارادے سے باز آئیں اور اپنے آپ کو جان بوجھ کر ہلاکت میں نہ ڈالیں۔ اگر اہل عراق، جیسا کہ اُن کا دعویٰ ہے، آپ کے حامی اور مددگار ہیں تو اُنھیں چاہیے کہ وہ شامی حاکم قتل کر کے شہر پر قبضہ کرلیں اور اپنے دشمنوں کو وہاں سے نکال دیں۔ اس صورت میں آپ بڑی خوشی سے وہاں تشریف لے جائیں لیکن اگر اُنھوں نے آپ کو ایسی حالت میں بلایا ہے کہ اُن کا امیر موجود ہے، اُس کی حکومت قائم ہے اور اس کے عمال خراج وصول کرتے ہیں تو یقین جانیے کہ اُنھوں نے آپ کو محض جنگ کے لیے بلایا ہے تا کہ آپ کو لڑائی میں جھونک دیں اور خود آپ کو دھوکا دے کر، بے یارو مددگا چھوڑ کر علیحدہ ہو جائیں۔ اُنھوں نے آپ کے والد اور بھائی سے بھی یہی سلوک کیا تھا۔''

حضرت حسینؓ نے جواب دیا ''میں استخارہ کروں گا۔'' دوسرے دن عبداللہ بن عباس پھر آئے اور کہا:''

''ابن عم! میرا دل نہیں مانتا مجھے اس راستے میں آپ کی ہلاکت کا خوف ہے۔ اہل عراق بڑے فریبی اور دغاباز ہیں۔ آپ ہرگز اُن کے پاس نہ جائیں۔ آپ اہل حجاز کے سردار ہیں۔ مکہ مکرمہ ہی میں مقیم رہیے لیکن اگر آپ کو یہاں سے جانے ہی پر اصرار ہے تو یمن چلے جائیں۔ وہ ایک وسیع ملک ہے۔ وہاں قلعے اور گھاٹیاں ہیں۔ آپ کے والد کے

حامی بھی وہاں موجود ہیں۔ وہاں قیام کر کے بلادِ اسلامیہ میں اپنی خلافت کا پیغام بھیجیں۔ مجھے امید ہے کہ اس طرح آپ کا مقصد بہت خوش اسلوبی اور امن و عافیت سے حاصل ہو جائے گا۔"

حضرت حسینؓ نے سُن کر فرمایا:

"مجھے یقین ہے کہ آپ میرے ناصح مشفق ہیں لیکن اب تو میں نے عراق کی روانگی کا فیصلہ کر ہی لیا ہے۔"

جب ابن عباس حضرت حسینؓ سے مایوس ہو گئے تو انھوں نے کہا "اچھا اگر آپ کو جانا ہی ہے تو خود چلے جائیں۔ عورتوں اور بچوں کو نہ لے جائیں۔ مجھے ڈر ہے کہ مبادا آپ کو بھی حضرت عثمانؓ کی طرح بچوں اور عورتوں کے سامنے شہید کر دیا جائے۔"

لیکن حضرت حسینؓ نے ایسا کرنے سے بھی انکار کر دیا۔ بعدازاں جب کربلا کے میدان میں آپ کے سب ساتھیوں کو شہید کر دیا گیا۔ پھر آپ کی شہادت کا وقت آیا اور آپ کے اہل و عیال خیموں سے باہر نکل کر جزع فزع کرنے لگے تو آپ کو ابن عباس کی یہ نصیحت یاد آئی اور آپ نے فرمایا:

"واقعی ابن عباس نے مجھے صحیح مشورہ دیا تھا۔ کاش میں اُن کی بات مان لیتا۔"

ابن عمرؓ اور دوسرے بہی خواہوں نے بھی آپ کو روکنے کی کوشش کی مگر بے سود۔ آخر آپ اپنے اہل و عیال کے ہمراہ مکہ مکرمہ سے روانہ ہو گئے۔ جب آپ صفاح کے مقام پر پہنچے تو یہاں آپ کو مشہور محب اہل بیت شاعر فرزدق ملا۔ آپ نے اس سے عراق کے حالات دریافت کیے۔ اُس نے جواب دیا:

"لوگوں کے دل آپ کے ساتھ ہیں لیکن تلواریں بنواُمیہ کے ساتھ قضاء الٰہی آسمان سے اتری ہے اور اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔"

یہ سُن کر آپ نے فرمایا "تم نے سچ کہا، اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ اگر اُس کا حکم ہمارے موافق ہوا تو ہم اس کی ستائش کریں گے لیکن اگر خلاف ہوا تو بھی ہماری نیت

پاک ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ثواب سے محروم نہ رکھے گا''۔

آپ نے اپنا سفر جاری رکھا کچھ اور آگے گئے تھے کہ عون اور محمد آپ کے پاس پہنچے۔ وہ عبداللہ بن جعفر کا خط لائے تھے جس میں لکھا تھا:

''میں آپ کو اللہ تعالیٰ کا واسطہ دلاتا ہوں کہ جونہی میرا خط آپ کو ملے۔ آپ لوٹ آیئے کیونکہ جس جگہ آپ جا رہے ہیں مجھے ڈر ہے کہ وہاں آپ کی ہلاکت اور آپ کے اہل بیت کی بربادی ہے۔ اگر خدانخواستہ آپ ہلاک ہو گئے تو دنیا تاریک ہو جائے گی کیونکہ اس وقت آپ ہی ہدایت یافتہ لوگوں کا علم اور مومنوں کی امیدوں کا مرکز ہیں۔ آپ سفر جلدی نہ کیجئے، میں بھی جلد آپ کے پاس پہنچتا ہوں''۔

یہ خط لکھنے کے بعد عبداللہ بن جعفر نے عمرو بن سعید حاکم مدینہ منورہ سے کہا کہ وہ بھی اپنی جانب سے ایک خط لکھ کر حضرت حسینؓ کو واپس بلا لے۔ عمرو نے کہا کہ خود خط لکھ لائیں، وہ اپنی مہر اُس پر لگا دے گا۔ چنانچہ عبداللہ نے والی کی طرف سے مندرجہ ذیل خط لکھا:

''میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ وہ آپ کو اُس راستے سے موڑ دے جدھر آپ جا رہے ہیں۔ میں نے سُنا ہے کہ آپ عراق جا رہے ہیں میں آپ کو اللہ تعالیٰ کا واسطہ دلا کر عرض کرتا ہوں کہ آپ افتراق اور انشقاق سے باز آئیں۔ اس میں آپ کے لیے ہلاکت ہے۔ میں عبداللہ بن جعفر اور اپنے بھائی کو آپ کے پاس بھیج رہا ہوں۔ آپ اُن کے ساتھ لوٹ آئیں میں آپ کو امان دیتا ہوں۔ آپ کے ساتھ صلہ رحمی اور ہمدردی سے پیش آؤں گا۔ آپ کی مدد کروں گا۔ آپ میرے پاس نہایت اطمینان اور راحت سے زندگی گزاریں گے۔ اللہ تعالیٰ اس پر شاہد ہے۔ وہی نگہبان اور وکیل ہے''۔

عبداللہ بن جعفر یہ خط لے کر حضرت حسینؓ کے پاس پہنچے۔ اُنھوں نے اسے پڑھا اور پڑھ کر فرمایا ''میں نے خواب میں رسول اللہ ﷺ کی زیارت کی ہے آپ نے مجھے ایک کام کا حکم دیا ہے میں وہ کام ضرور انجام دوں گا خواہ اس کا نتیجہ کچھ ہی کیوں نہ ہو''۔

عبداللہ بن جعفر نے پوچھا "وہ کام کیا ہے؟"

آپ نے جواب دیا "وہ نہ میں نے کسی کو بتایا ہے اور نہ بتاؤں گا جب تک اپنے رب کے حضور میں حاضر نہ ہو جاؤں۔"

مجبور ہو کر عبداللہ بن جعفر واپس آ گئے لیکن عون اور محمد کو آپ کے ساتھ رہنے کا حکم دیا۔

ادھر جب ابن زیاد نے سنا کہ حضرت حسینؓ کوفہ کی جانب بڑھتے چلے آ رہے ہیں تو اُس نے پولیس کے حاکم اعلیٰ حصین بن نمیر کو آپ کے روکنے پر مامور کیا۔ اس نے قادسیہ سے خفان، قطقطانہ اور جبل لعل تک سواروں کو مقرر کر دیا کہ ایک تو وہ حضرت حسینؓ کے قافلے کی نقل و حرکت کی خبریں دم بدم اُسے دیتے رہیں دوسرے اہل کوفہ اور حضرت حسینؓ کے درمیان خط و کتابت کا سلسلہ قائم نہ رہے۔ اس انتظام کا نتیجہ یہ ہوا کہ نہ اس علاقے سے کوئی شخص باہر جا سکا اور نہ اندر آ سکا۔

حضرت حسینؓ جب حاجز کے مقام پر پہنچے تو آپ نے قیس بن مسہر صیداوی کے ہاتھ اہل کوفہ کو ایک خط بھیجا جس میں آپ نے اپنے آنے کی اطلاع دی تھی اور اُنھیں تیاری کا حکم دیا تھا۔ جب قیس قادسیہ پہنچے تو حصین کے مقرر کیے ہوئے سپاہیوں نے اُنھیں گرفتار کر لیا۔ حصین نے اُنھیں ابن زیاد کے پاس کوفہ بھجوا دیا۔

ابن زیاد نے خط پڑھا اور انھیں حکم دیا:

"محل کی چھت پر چڑھ جاؤ اور کذاب بن کذاب حسینؓ کو گالیاں دو۔"

قیس چھت پر چڑھ گئے اور کہا:

اے لوگو! یہ حسینؓ بن علیؓ کا خط ہے جو رسول اللہ ﷺ کی بیٹی حضرت فاطمہؓ کے فرزند اور مخلوق میں بہترین آدمی ہیں۔ میں اُن کا قاصد ہوں جو تمہارے پاس آیا ہوں۔ وہ حاجز تک پہنچ چکے ہیں، تم اُن کی دعوت قبول کرو۔"

یہ کہہ کر انھوں نے ابن زیاد اور اُس کے باپ پر لعنت بھیجی اور حضرت علی کرم اللہ

وجہیہ کے لیے استغفار کی۔

ابن زیاد یہ دیکھ کر آگ بگولہ ہو گیا۔ اور اُس نے حکم دیا کہ قیس کو چھت پر سے نیچے پھینک دیا جائے چنانچہ اس حکم کی تعمیل کی گئی اور مسلم کے بعد اسی محل میں قیس کو بھی جام شہادت نوش کرنا پڑا۔

حضرت حسینؓ جب بطن رملہ سے آگے بڑھ کر "یوں کے ایک چشمے پر پہنچے تو اُنھیں عبداللہ بن مطیع ملے جو عراق سے واپس آ رہے تھے۔ عبداللہ بن مطیع نے آپ سے پوچھا:

"اے ابن رسول اللہ ﷺ میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں۔ آپ اللہ تعالیٰ اور اپنے جداامجد کے حرم سے باہر کیوں نکلے ہیں؟"

حضرت حسینؓ نے فرمایا "کوفہ والوں نے ہمیں بلایا ہے۔"

عبداللہ نے کہا "میں اسلام اور قریش کی حرمت کے لیے آپ کو اللہ تعالیٰ کی قسم دیتا ہوں کہ آپ اپنے اس ارادے سے باز آئیے۔ اگر آپ نے خلافت کا دعویٰ کیا جو اس وقت بنوامیہ کے ہاتھ میں ہے تو آپ ضرور شہید کر دیے جائیں گے۔ اگر بنوامیہ نے آپ کو شہید کر دیا تو آپ کے بعد وہ کسی سے بھی ڈرنے والے نہیں۔ اس طرح قتل و غارت کا ایک لامتناہی سلسلہ شروع ہو جائے گا۔"

حضرت حسینؓ نے یہ جان گداز واقعہ سن کر انا للہ وانا علیہ راجعون پڑھا۔ اس اطلاع کے بعد آپ کے متعدد ساتھیوں نے قسمیں دلا دلا کر آپ سے عرض کیا کہ آپ یہیں سے لوٹ چلیے کوفہ میں آپ کا کوئی حامی اور مددگار نہیں بلکہ ہمیں اندیشہ ہے کہ کوفہ پہنچے پر کوفہ والے آپ کے خلاف میدان میں نکل آئیں گے۔

اس موقع پر مسلم کے بھائی کھڑے ہو گئے اور انھوں نے کہا واللہ ہم اس وقت تک پیچھے نہ ہٹیں گے جب تک اپنے بھائی کا بدلا نہ لے لیں گے یا خود بھی وہی پیالہ نہ پی لیں گے جو مسلم نے پیا ہے۔"

حضرت حسینؓ نے فرمایا ''ان لوگوں کے بعد ہماری زندگی کس کام کی ہوگی اور بعض لوگوں نے کہا'' واللہ! آپ کے ساتھ مسلم بن عقیل کا سا سلوک نہ کیا جائے گا۔ جونہی آپ کوفہ پہنچیں گے۔ لوگ جوق در جوق آپ کی فوج میں آ کر شامل ہو جائیں گے''

چنانچہ یہاں سے بھی قافلہ آگے بڑھا۔ حضرت حسینؓ جن جن چشموں سے گزرتے تھے لوگ جوق در جوق آپ کی فوج میں آ کر شامل ہوتے جاتے تھے جب آپ زبالہ کے مقام پر پہنچے تو آپ کو آپ کے رضاعی بھائی عبداللہ بن یقطر کی خبر شہادت ملی۔ انھیں آپ نے مسلم کے پاس بھیجا تھا۔ حصین بن نمیر کے سواروں نے انھیں بھی گرفتار کر کے ابن زیاد کے پاس بھجوا دیا تھا ابن زیاد نے انھیں حکم دیا کہ ''محل کی چھت پر چڑھے اور قیس کی طرح انھوں نے بھی اہل کوفہ سے کہا'' حضرت حسینؓ تشریف لا رہے ہیں ابن زیاد کے مقابلے میں ان کی مدد کرو'' چنانچہ حکم کی تعمیل کی گئی۔ وُہ محل کے نیچے پڑے سسک رہے تھے کہ ایک شخص عبدالمومن بن عمیر لخمی؛ وہاں پہنچا اور خنجر سے آپ کو ذبح کر دیا۔ اس کے ساتھیوں نے اس فعل پر اسے بُرا بھلا کہا۔ اس نے کہا'' میں نے یہ کام عبداللہ کو آرام پہنچانے کی خاطر کیا ہے۔ ان کے سسکنے کو برداشت نہ کر سکتا تھا''

زبالہ سے عبداللہ بن یقطر کو مسلم کے بھیجنے سے کچھ دیر بعد حضرت حسینؓ کو محمد بن اشعث اور عمرو بن سعد کے قاصد ملے اور انھیں مسلم بن عقیل کی وصیت سے جو انہوں نے مرنے سے پہلے محمد اور عمر کو کی تھی آگاہ کیا انھوں نے آپ کو مسلم بن عقیل کی شہادت کے متعلق جو خبر دی تھی ابن اشعث اور ابن سعد کے قاصدوں کے ذریعے سے اس کی تصدیق ہو گئی۔

جب حضرت حسینؓ کو یکے بعد دیگرے اس قسم کی خبریں ملنی شروع ہوئیں تو آپ نے اپنے ساتھیوں کو جمع کر کے تقریر کی جس میں کہا۔ ''مسلم بن عقیل اور ہانی بن عروہ کے قتل کی خبریں موصول ہو چکی ہیں۔ ہمارے شیعوں نے ہمارا ساتھ چھوڑ دیا ہے تم میں سے جو شخص لوٹنا چاہے وہ بلا مال لوٹ جائے۔ ہماری جانب سے اس پر کوئی الزام نہیں''

یہ تقریر سن کر لوگ چھٹنے شروع ہو گئے اور صرف وہی باقی رہ گئے جو آپ کے ساتھ

مدینہ منورہ سے آئے تھے یا وہ چند مخلص خدام جو راستے میں آپ کے ساتھ ہو لیے تھے۔

حضرت حسینؓ کو معلوم تھا کہ جو لوگ آپ کے ساتھ ہیں ان میں سے اکثر کا خیال یہ ہے کہ وہ ایسے شہر میں جا رہے ہیں جہاں کے باشندے حضرت حسینؓ کے پورے طور پر مطیع اور وہ آسانی سے شہر پر قابض ہو جائیں گے۔ اس لیے آپ نے چاہا کہ ان کے سامنے تمام حالات کی تفصیل رکھ دی جائے اور انھیں بتا دیا جائے کہ ان کے ساتھ کیا کیا واقعات پیش آنے والے ہیں تا کہ اس کے بعد جو لوگ آپ کے ساتھ رہیں وہ ہی ہوں جو آپ کی رفاقت کو موت پر ترجیح دیں اور موت کی قطعاً پروانہ کریں۔

زبالہ سے آگے بڑھ کر آپ نے بطن عقبہ میں قیام فرمایا۔ اس جگہ بنوعکرمہ کا ایک شخص ملا جس نے آپ کو بتایا کہ ابن زیاد نے قادسیہ سے عذیب تک سواروں کا ایک جال بچھا دیا ہے تا کہ آپ زندہ واپس نہ جا سکیں اس لیے آپ لوٹ جائیں لیکن حضرت حسینؓ نے فرمایا۔

''میں اللہ تعالیٰ کا حکم بہر حال بجالاؤں گا''

کوفہ کے راستوں کی ناکہ بندی کرنے سے ابن زیاد کی غرض یہ تھی کہ نہ حضرت حسینؓ کوفہ پہنچ سکیں اور نہ کوفہ والوں کو ان کی نقل و حرکت کا پتا چل سکے بلکہ راستے ہی میں آپ کا مقابلہ کر کے آپ کو شہید کر دیا جائے آگے چل کر جو واقعات پیش آئے ان سے یہ امر بالکل ثابت ہو جاتا ہے کہ ابن زیاد جانتا تھا حضرت حسینؓ کے پاس اتنی طاقت نہیں وہ اسے شکست دے سکیں یا لوگوں کو بغاوت کے لیے آمادہ کر سکیں لیکن ان کا واحد مقصد چونکہ حضرت حسینؓ کی جان لینا تھا اس لیے اس نے اس مقصد کے حصول کے لیے انتہائی شرمناک طریقے استعمال کیے اگر وہ چاہتا تو بڑی آسانی سے حضرت حسینؓ کو کوفہ لے جاتا اور یزید سے آپ کے متعلق مشورہ طلب کرتا۔ حضرت حسینؓ ہرگز اس سے تعرض نہ کرتے لیکن وہ تو آپ کے خون کا پیاسا ہو رہا تھا اس نے دور اندیشی عقل اور سمجھ سب کو بالائے طاق رکھتے ہوئے وہ کام کیا کہ قیامت تک آنے والی نسلیں اس پر لعنت بھیجتی رہیں گی۔

اور جب دونوں لشکر آمنے سامنے ہوئے

ابن زیاد نے عراق کے طول و عرض میں ہر اس راستے پر جو سر زمین حجاز کو جاتا تھا اور کوفہ کے اردگرد اپنے لشکر پھیلا رکھے تھے تا کہ حضرت حسینؓ کا کسی نہ کسی لشکر سے ضرور سامنا ہو جائے اور وہ اس کے چنگل سے نہ نکل سکیں جس طرح وہ عامل مدنیہ منورہ اور امیر مکہ منورہ کے ہاتھوں سے نکل چکے تھے۔

حضرت حسینؓ نے مکہ مکرمہ سے عراق تک کا سفر انتہائی مشقت اور تکلیف سے طے کیا۔ زمین انتہائی ناہموار تھی۔ راستے میں جا بجا اونچے نیچے گڑھے چھوٹی بڑی پہاڑیاں اور وسیع صحرا تھا۔ موسم شدید گرمی کا تھا بطن عقبہ کے بعد آپ کا مختصر سا لشکر شراف میں اُترا۔ شراف عراق کی سرحد پر واقع تھا۔ اب محرم ۶۱ھ مطابق اکتوبر ۶۸۰ء شروع ہو چکا تھا۔ عین دوپہر کے وقت آپ نے دیکھا کہ ایک لشکر چلا آ رہا ہے۔ آپ سمجھ گئے کہ یہ ابن زیاد کا کوئی لشکر ہے۔ آپ نے اپنے ساتھیوں سے کہا "بہتر یہ ہے ہم پہاڑ کے دامن میں خیمہ زن ہوں تا کہ ہمیں صرف ایک جانب سے دشمن کا مقابلہ کرنا پڑے۔ زہیر بن قین نے کہا " آپ کی رائے بالکل ٹھیک ہے ہمارے قریب ہی بائیں جانب جبل ذی حسم، ہے ہم جلدی سے اس کے دامن میں پہنچ کر ڈیرے ڈال لیں ورنہ دشمن وہاں پہنچ گیا تو جو فائدہ ہم حاصل کرنا چاہتے ہیں وہ اُسے حاصل ہو جائے گا"

حضرت حسینؓ نے اپنے ساتھیوں کو جلد از جلد کوچ کرنے اور جبل ذی حسم پر پہنچ

کرڈیرے ڈالنے کی ہدایت فرمائی۔ چنانچہ تھوڑی دیر میں آپ کا قافلہ جبل ذی حسم پہنچ گیا۔

جو لشکر آپ کو دکھائی دیا تھا وہ حُر بن یزید تمیمی یربوعی کا تھا جسے ابن زیاد نے حضرت حسینؓ کا راستہ روکنے اور اُنھیں گھیرے میں لینے کے لیے روانہ کیا تھا۔ حُر کے لشکر نے آپ کے لشکر کے بالمقابل پڑاؤ ڈال دیا۔ حضرت حسینؓ نے اپنے ساتھیوں کو حکم دیا "ان لوگوں کو پانی پلاؤ اور ان کے گھوڑوں کو سیراب کرو، یہ دوپہر میں چلے آرہے ہیں۔"

آپ کے ساتھیوں نے حکم کے مطابق دشمن کے لشکر کو پانی پلایا اور اُن کے گھوڑوں کو بخوبی سیراب کر دیا۔ کچھ دیر حر کے لشکر نے آرام کیا۔ اس کے بعد حضرت حسینؓ نے اپنے موذن حجاج بن مسروق جعفی کو ظہر کی اذان دینے کا حکم دیا۔ اذان کہی گئی۔ حضرت حسینؓ خیمے سے باہر نکلے اور حُر کے دستے کے سامنے کھڑے ہو کر حمد وثنا کے بعد فرمایا:

"اے لوگو! میں تمہارے پاس از خود نہیں آیا بلکہ میرے پاس تمہارے خطوط پہنچے اور تم نے اپنے قاصدوں کے ہاتھ کہلا بھیجا کہ ہمارا کوئی امام نہیں، شاید اللہ تعالیٰ آپ کے ذریعے سے ہمیں ہدایت اور حق پر مجتمع کر دے۔ اب میں آ گیا ہوں اگر تم عہد و میثاق کر کے مجھے پورا اطمینان دلا دو تو میں تمہارے شہر چلوں لیکن اگر تم لوگ ایسا نہیں کرتے بلکہ میرا آنا تمہیں ناگوار ہے تو میں جہاں سے آیا ہوں وہیں لوٹ جاؤں گا۔"

یہ سُن کر لوگ خاموش ہو گئے اور کسی نے ایک لفظ تک منہ سے نہ نکالا۔ آپ نے اقامت کا حکم دیا اور حُر سے پوچھا:

"کیا آپ لوگ ہمارے ساتھ نماز پڑھیں گے یا علیحدہ؟"

حُر نے جواب دیا "سب اکٹھے ہی پڑھیں گے۔"

چنانچہ حُر کے لشکر نے بھی حضرت حسینؓ کے پیچھے نماز ادا کی نماز کے بعد حضرت حسینؓ اور آپ کے ساتھی اپنے خیموں کی طرف چلے آئے اور حُر اور اُس کا لشکر اپنے خیموں میں پہنچ گیا۔

عصر کا وقت آیا تو حضرت حسینؓ کے موذن نے اذان کہی۔ حضرت حسینؓ آگے

بڑھے اور دونوں فریقوں کو نماز پڑھائی۔ نماز کے بعد حسب ذیل تقریر کی:

''اے لوگو! اگر تم اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور حق دار کا حق پہچانو تو یہ اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی کا موجب ہوگا۔ ہم اہل بیت خلافت کے اُن دعویٰ داروں کے مقابلے میں جنھیں خلافت پر کسی قسم کا حق حاصل نہیں اور جو ظلم و جبر سے تم پر حکومت کرتے ہیں، خلافت کے زیادہ مستحق ہیں۔ اگر تمہیں ہمارا آنا ناگوار ہے۔ تم ہمارا حق نہیں پہچانتے اور تمہاری رائے اس رائے سے مختلف تھی جو ہمیں تمہارے خطوط اور تمہارے قاصدوں سے معلوم ہوئی تھی تو ہم واپس چلے جاتے ہیں۔''

''حُر بن یزید کھڑا ہوا اور اس نے کہا ''یہ آپ خطوط اور قاصدوں کا کیا ذکر رہے ہیں؟ ہمیں اُن کا کچھ علم نہیں۔''

حضرت حسینؓ نے کوفیوں کے خطوط کے دو تھیلے منگوا کر حُر اور اُس کے لشکر کے سامنے ڈال دیے۔

حُر نے کہا ''ہم نے یہ خط آپ کو نہ لکھے تھے۔ ہمیں تو اس بات کا حکم دیا گیا ہے کہ آپ کو اس وقت تک نہ چھوڑ دیں جب تک ابن زیاد کے پاس کوفہ نہ پہنچا دیں۔''

حضرت حسینؓ نے فرمایا ''تمہاری موت اس سے زیادہ قریب ہے'' یہ کہہ کر اپنے ساتھیوں کو حکم دیا کہ وہ تیار ہو جائیں اور حجاز کی جانب کوچ کر دیں۔ حُر نے مزاحمت کی۔ حضرت حسینؓ نے فرمایا:

''تم آخر کیا چاہتے ہو؟''

حُر نے جواب دیا ''میں یہ چاہتا ہوں کہ آپ کو عبیداللہ بن زیاد امیر کوفہ کے پاس لے جاؤں۔''

حضرت حسینؓ نے فرمایا ''یہ تو ناممکن ہے۔''

حُر نے جواب دیا ''تو میں آپ کو چھوڑ بھی نہیں سکتا۔''

اس پر دونوں میں کچھ تند و تیز گفتگو ہونے لگی۔ آخر حُر نے کہا:

''مجھے آپ سے لڑنے کا حکم نہیں دیا بلکہ یہ حکم ملا ہے کہ آپ جہاں ملیں آپ کو حراست میں لے کر کوفہ پہنچا دوں اس لیے بہتر یہ ہے کہ آپ کوئی ایسا راستہ اختیار کیجیے جو عراق اور حجاز دونوں کے درمیاں ہو، جو نہ کوفہ پہنچائے اور نہ مدینہ منورہ واپس لے جائے اس دوران میں میں ابن زیاد کو لکھتا ہوں، آپ یزید کو لکھیے۔شاید میرے لیے عافیت کی کوئی صورت پیدا ہو جائے اور مجھے آپ کے معاملے میں آزمائش سے دوچار نہ ہونا پڑے۔''

حضرت حسینؓ نے یہ تجویز قبول فرمالی اور شمال کی طرف رُخ کر کے نینویٰ کے طرف چل کھڑے ہوئے۔حُر بھی آپ کے ساتھ ساتھ تھا۔

راستے میں بیضہ کے مقام پر آپ نے پھر ایک خطبہ دیا جس میں فرمایا:

''اے لوگو! رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ جس شخص نے ظالم، محرمات الٰہی کو حلال کرنے والے اللہ تعالیٰ کے عہد کو توڑنے والے رسول اللہ ﷺ کی سنت کی مخالفت کرنے والے اور اللہ تعالیٰ کے بندوں پر گناہ اور زیادتی سے حکومت کرنے والے حکمران کو دیکھا اور اُس نے اپنے فعل یا قول کے ذریعے سے غیرت کا اظہار نہ کیا تو اللہ تعالیٰ کا حق ہے کہ اُسے اُس بادشاہ کے ساتھ دوزخ میں داخل کرے۔لوگو! خبردار ہو جاؤ۔اُن لوگوں نے شیطان کی اطاعت اختیار کر لی ہے اور رحمان کی اطاعت ترک کر دی ہے۔اُنھوں نے ملک میں فتنہ وفساد پھیلا دیا ہے اور حدود الٰہی کو معطل کر دیا ہے۔مال غنیمت میں یہ لوگ اپنا حصہ زیادہ لیتے ہیں۔اللہ تعالیٰ کی حرام کردہ چیزوں کو حلال قرار دیتے ہیں۔اور حلال کی ہوئی چیزوں کو حرام اس لیے مجھے غیرت آنے کا زیادہ حق ہے۔میرے پاس تمہارے خطوط آئے اور قاصد پہنچے کہ تم نے بیعت کر لی ہے اور تم مجھے بے یار و مددگار نہ چھوڑ و گے۔اگر تم اپنی بیعت پوری کرو گے تو راہ راست پر پہنچو گے۔میں حسینؓ ابن علیؓ اور ابن فاطمہؓ بنت رسول اللہ ﷺ ہوں۔میری شکست تم لوگوں کے لیے نمونہ ہے اور اگر تم ایسا نہ کرو گے اور اپنا عہد اور میری بیعت توڑ دو گے تو واللہ یہ بھی تمہاری ذات سے بعید اور تعجب انگیز فعل نہ ہوگا۔تم اس سے پہلے میرے باپ، میرے بھائی اور میرے ابن عم مسلم کے ساتھ ایسا ہی کر چکے

ہو۔وہ شخص فریب خوردہ ہے جو تمہارے دھوکے میں آ گیا۔تم نے اپنے فعل سے بہت بُری مثال قائم کی۔جو شخص عہد توڑتا ہے وہ اپنے ہاتھ سے اپنا نقصان کرتا ہے۔عنقریب مجھے اللہ تعالیٰ تمہاری امداد سے بے نیاز کردے گا۔والسلام۔"

حضرت حسینؓ کی یہ تقریر سُن کر حُر نے کہا "میں آپ کو آپ کے نفس کے بارے میں اللہ کی یاد دلاتا ہوں اور گواہی دیتا ہوں کہ اگر آپ نے جنگ کی تو آپ قتل کردیے جائیں گے۔"

حضرت حسینؓ نے فرمایا "کیا تم مجھے موت سے ڈراتے ہو؟ اور کیا تمہاری بدبختی یہاں تک پہنچ جائے گی کہ تم مجھے قتل کردو گے؟ میں نہیں جانتا کہ تمہیں کیا جواب دوں میں صرف وہی جواب دے سکتا ہوں جو اوس کے چچیرے بھائیوں نے اُسے اُس وقت دیا تھا جب وہ رسول اللہ ﷺ کی مدد کو جارہے تھے اور اس نے اُنھیں کہا تھا تم کہاں جارہے ہو؟ اگر تم رسول اللہ ﷺ کی مدد کو نکلو گے تو قتل کردیئے جاؤ گے۔اس پر ان میں سے ایک نے کہا تھا، میں عنقریب روانہ ہو جاؤں گا اور موت جوان مرد کے لیے عار نہیں جب اُس کی نیت ٹھیک ہو اور وہ اسلام کی راہ میں جہاد کرنے والا ہو۔اور جب وہ جان دے کر نیک لوگوں کا مددگار بنے اور ملعون اور مجرم سے علیحدگی اختیار کرے۔اگر میں زندہ رہا تو نادم نہ ہوں گا اور اگر مر گیا تو میرے لیے رنج کی کوئی بات نہیں۔ہاں تمہارے لیے ذلت ہی ذلت ہے خواہ تم نہایت عیش و آرام کی زندگی گزارو۔"

جب حُر نے یہ تقریر سُنی تو وہ علیحدہ ہو کر چلنے لگا۔جب دونوں لشکر عذیب الحجانات کے مقام پر پہنچے تو چار سوار کوفہ کی طرف سے آتے ہوئے دکھائی دیے طرماح بن عدی اُن کا رہبر تھا اور وہ یہ شعر پڑھ رہا تھا:

"اے میری اونٹنی! تو طلوع فجر سے پہلے ہمت سے چل کھڑی ہو سب سے اچھے مسافروں کو سب سے اچھے سفر پر لے چل یہاں تک کہ شریف النسب شخص تک پہنچ جائے جو عزت والا ہے۔آزاد ہے، فراخ سینہ ہے، اللہ تعالیٰ اسے سب سے اچھے کام کے لیے

لایا ہے۔"

جب حضرت حسینؓ نے یہ اشعار سنے تو آپ نے فرمایا "مجھے اللہ تعالیٰ سے یہی امید ہے کہ وہ ہماری مدد فرمائے گا، خواہ شہادت کے ذریعے سے خواہ فتح یابی کے ذریعے سے۔"

جب حُر بن یزید نے دیکھا کہ وہ سوار حضرت حسینؓ کی طرف بڑھے چلے جا رہے ہیں تو وہ آگے آیا اور کہا:

"یہ لوگ کوفہ سے آئے ہیں اور مجھے اختیار ہے کہ میں انھیں گرفتار کرلوں یا لوٹا دُوں۔"

حضرت حسینؓ نے فرمایا:

"میں ان کی حفاظت اپنی جان کی طرح کروں گا کیونکہ یہ میرے انصار ہیں اور انھیں لوگوں کی طرح ہیں جو میرے ساتھ آئے ہیں۔ یا تو تم اپنے عہد و پیمان پر قائم رہو ورنہ میں تم سے جنگ کروں گا۔"

یہ سُن کر حُر پیچھے ہٹ گیا اور اُن لوگوں سے کوئی تعرض نہ کیا۔ حضرت حسینؓ نے اُن سے فرمایا "تم کوفہ کے لوگوں کو کس حال میں چھوڑ آئے ہو؟"

اس استفسار پر اُن میں سے ایک شخص مجمع بن عبید اللہ العامری نے عرض کی کہ "کوفہ کے معززین کو آپ کے خلاف بڑی بڑی رشوتیں دی گئی ہیں اور اُن کی ہتھیلیاں بھر دی گئی ہیں۔ اس لیے وہ سب آپ کے خلاف متحد ہیں البتہ عام لوگوں کے دل آپ ہی کی طرف مائل ہیں لیکن اُن کی تلواریں کل آپ ہی کے مقابلے میں نکلیں گی۔"

آپ نے اُن سے اپنے قاصد قیس بن مسہر کا حال دریافت کیا۔ انھوں نے اُس کی جرات ایمانی اور شہادت کی تمام تفصیلات بیان کردیں قیس کی شہادت کا حال سُن کر آپ کی آنکھیں ڈبڈبا آئیں اور آپ نے یہ آیت پڑھی:

فمنهم من قضى نحبه و منهم من ينتظر وما بدلوا تبديلا

(ان میں سے بعض نے اپنے عہد پورے کر دیے اور بعض انتظار کر رہے ہیں ک
کب موقع ملے اور وہ بھی اپنی جانیں اللہ تعالیٰ کی راہ میں پیش کر سکیں۔ان کی ایمان می
کوئی تبدیلی نہیں آئی) اُس کے بعد فرمایا "اے اللہ تعالیٰ! ہمارے لیے اور اُن کے
جنت کی راہیں کھول دے۔اپنی رحمت کے سایے میں ہمیں اور اُنھیں جگہ دے اور
ثواب کے ذخیرے میں حصہ وافر عطا فرما۔"

طرماح بن عدی نے کہا "میں چاروں طرف نگاہ دوڑا رہا ہوں مگر مجھے آپ
ساتھ چند آدمیوں کے سوا کوئی لشکر دکھائی نہیں دیتا۔اگر حُر کے ساتھی، جو آپ کے پیچھے
ہوئے ہیں۔آپ پر ٹوٹ پڑیں تو آپ کے لشکر کا خاتمہ ہو جائے۔میں نے روانگی کوفہ
قبل لوگوں کا اتنا جم غفیر دیکھا ہے کہ آج تک کسی ایک میدان میں کبھی نہ دیکھا تھا۔یہ
لوگ آپ سے لڑنے کے لیے اکٹھے کیے گئے ہیں۔میں آپ کو اللہ تعالیٰ کا واسطہ
کر عرض کرتا ہوں کہ اگر ممکن ہو تو ایک بالشت بھی آگے نہ بڑھیے۔اگر آپ کسی ایسے
جانا چاہتے ہیں۔جہاں اس وقت تک آپ کی حفاظت کرتے رہیں جب تک آپ کوئی
فیصلہ کر لیں تو ہمارے ساتھ، آجا، پہاڑ پر چلیے اور وہاں قیام فرمائیے۔اس پہاڑ کے ذر
سے ہم نے غسانی اور حمیری بادشاہوں، نعمان بن منذر اور تمام بیض وا کو روکا ہے
شخص ہمارے یہاں آ کر مقیم ہوا وہ کبھی ذلیل نہ ہوا۔آپ طے کے قبائل باجی وسلمہ کو
مدد کے لیے بلائیے۔دس دن کے اندر بیس ہزار سوار اور پیدل آپ کے گرد جمع ہو جا
گے۔اور جب تک اُن میں سے ایک ایک آپ پر نثار نہ ہو جائے گا دشمن آپ تک
سکے گا۔"

حضرت حسینؓ نے جواب دیا "اللہ تعالیٰ تمہیں اور تمہاری قوم کو جزائے خیر دے
لیکن ہم میں اور ان لوگوں میں عہد ہو چکا ہے اب ہم اس عہد سے پھر نہیں سکتے۔ہمیں بھی
نہیں معلوم کہ ہمارا اُن کا معاملہ کس حد پر پہنچ کر ختم ہو گا اور کیا صورت اختیار کرے گا
قصر بنی مقاتل پر پہنچے تو دونوں فریقوں نے پڑاؤ ڈال دیا۔اس جگہ ایک خیمہ نصب تھا

نے فرمایا "یہ کس کا خیمہ ہے؟" لوگوں نے معلوم کر کے بتایا کہ وہ خیمہ عبیداللہ بن حر جعفی کا ہے۔ آپ نے فرمایا "اسے ہمارے پاس لاؤ۔" جب آپ کا آدمی عبیداللہ کے پاس پہنچا اور آپ کا پیغام اسے دیا تو اُس نے کہا:

"میں کوفہ سے صرف اس لیے چلا آیا تھا کہ اپنی موجودگی میں وہاں حسینؓ کا آنا پسند نہ کرتا تھا۔ اب میں خود حسینؓ کے پاس کس طرح جا سکتا ہوں؟"

یہ سُن کر حضرت حسینؓ خود اُس کے پاس تشریف لے گئے اور اُسے اپنے ساتھ شامل ہونے کی دعوت دی۔ اس پر اُس نے کہا:

"واللہ! میں یہ جانتا ہوں کہ جو شخص آپ کی متابعت اختیار کرے گا اُس کا شمار آخرت میں سعید لوگوں کے ساتھ ہوگا لیکن اگر میں آپ کی مدد کروں بھی تو آپ کی کامیابی کا یقین بہت کم ہے۔"

حضرت حسینؓ نے فرمایا "اگر تم ہماری مدد نہیں کر سکتے تو کم از کم یہ تو کر سکتے ہو کہ ہمارے خلاف لڑنے سے باز رہو۔"

اُس نے کہا "آپ یقین رکھیں کہ ایسا ہی ہوگا۔"

رات کے آخری حصے میں حضرت حسینؓ نے اپنے قافلے کو کوچ کا حکم دیا اور قافلہ قصر بنی مقاتل سے چل کھڑا ہوا۔ فجر طلوع ہونے پر آپ نے قافلہ ٹھہرایا اور نماز فجر ادا کی۔ نماز کے بعد سفر کا سلسلہ پھر جاری کر دیا۔ جب کبھی آپ کے قافلے کا رُخ صحرائے عرب کی جانب ہو جاتا۔ حُر بن یزید آپ کو روک دیتا اور رُخ پھیر کر کوفہ کی جانب کر دیتا۔ چلتے چلتے آپ نینویٰ پہنچے اور وہاں خیمہ زن ہو گئے۔ نینویٰ کے قیام کے دوران میں ایک دن ایک مسلح سوار کوفہ کی جانب سے آتا ہوا دکھائی دیا۔ جب وہ قریب پہنچا تو اُس نے حضرت حسینؓ کی طرف سے منہ پھیر لیا مگر حُر کو سلام کیا اور اُسے ابن زیاد کا ایک خط دیا جس میں لکھا تھا:

"جونہی میرا یہ خط اور میرا قاصد تمہارے پاس پہنچے، حسینؓ اور ان کے ساتھیوں کو

جہاں وہ ہیں، وہیں روک لو اور اُنھیں ایسی جگہ اُترنے پر مجبور کرو جو بالکل چٹیل میدان ہو اور جہاں کوئی سرسبزی اور پانی کا چشمہ وغیرہ نہ ہو۔ میرا یہ قاصد اُس وقت تک تمہارے ساتھ ساتھ رہے گا جب تک مجھے یہ معلوم ہو جائے کہ جو حکم میں نے تمہیں دیا ہے تم نے اس کی حرف بحرف تعمیل کی ہے۔"

جب حُر نے یہ خط پڑھا تو اُس نے حضرت حسینؓ سے کہا "ابن زیاد نے مجھے یہ بھی حکم دیا ہے کہ میں آپ کو گھیر لوں اور کسی ایسی جگہ نہ اُترنے دوں جہاں کوئی سرسبزی اور پانی کا چشمہ ہو۔ اس نے اپنے قاصد کو بھی حکم دیا ہے کہ وہ اُس وقت تک میرے لشکر کے ساتھ ساتھ رہے جب تک وہ اُس کے احکام کی تعمیل کر لوں۔ اس لیے اب میں آپ کو اس جگہ نہ رہنے دوں گا۔"

آپ نے فرمایا "ہمیں چھوڑ دو۔ ہم اپنی مرضی سے نینویٰ یا کسی اور جگہ خیمہ زن ہوں گے۔"

حر نے جواب دیا "میں ایسا نہیں کر سکتا کیونکہ یہ آدمی ہم پر بطور جاسوس مقرر کیا گیا ہے۔"

اس پر زہیر بن قین نے حضرت حسینؓ سے عرض کی "آئندہ جو واقعات پیش آئیں گے وہ موجودہ واقعات سے زیادہ سخت ہوں گے۔ اے ابن رسول اللہ ﷺ! ان لوگوں سے لڑنا جو اس وقت ہمارے سامنے ہیں اور ان عظیم الشان لشکروں سے لڑنے کے مقابلے میں کہیں زیادہ آسان ہے جو بعد میں آئیں گے۔ اپنی جان کی قسم! جو لشکر بعد میں آئیں گے ہم اُن کا مقابلہ نہ کر سکیں گے اس لیے آیئے ہم حُر کے لشکر سے مقابلہ کریں۔"

حضرت حسینؓ نے فرمایا "میں اپنی طرف سے لڑائی میں پہل نہ کروں گا۔"

اس پر زہیر نے کہا "اچھا اگر آپ یہ نہیں کر سکتے تو کم از کم یہ کریں کہ سامنے والے گاؤں میں اُتر پڑیں۔ وہ گاؤں بھی مضبوط مستحکم ہے اور دریائے فرات کے کنارے واقع ہے۔ اگر ان لوگوں نے مزاحمت کی تو ہم ان سے لڑیں گے۔"

حضرت حسینؓ نے پوچھا "اس گاؤں کا نام کیا ہے؟"

معلوم ہوا 'عقر' (جس کے معنی کرنے کے ہیں) آپ نے فرمایا:

"اے اللہ تعالیٰ میں تجھ سے عقر کی پناہ مانگتا ہوں۔"

چنانچہ یہاں سے بھی قافلہ چل پڑا۔ حُر بھی ساتھ ساتھ تھا۔ تھوڑی دور آگے جا کر فرات کے قریب کربلا کے مقام پر پہنچے۔ اُس وقت حُر آگے بڑھا اور کہنے لگا "اب میں آپ کو آگے نہ بڑھنے دوں گا، آپ یہیں ٹھہر جائیے۔" اس پر مجبور ہو کر محرم ۶۱ھ ۲۔ اکتوبر ۶۸۰ء کو آپ کا قافلہ کربلا کے میدان میں خیمہ زن ہو گیا۔

دوسرے روز عمرو بن سعد چار ہزار سپاہ لے کر آ پہنچا ابن زیاد نے عمرو بن سعد کو رے کا حاکم مقرر کر کے دیالمہ کے سرکوبی کے لیے بھیجا تھا۔ وہ حمام اعین تک پہنچ چکا تھا کہ ابن زیاد نے اُسے واپس بلا لیا۔ اور حکم دیا کہ پہلے حضرت حسینؓ سے لڑنے کے لیے جائے۔ عمرو بن سعد آپ سے لڑنا نہ چاہتا تھا۔ اس لیے اس نے کچھ پس و پیش کی۔ اس پر ابن زیاد نے اس سے کہا کہ اگر تم حسینؓ سے لڑنے کے لیے نہ جاؤ گے تو تمہاری ولایت چھین لی جائے گی۔ آخر قدرے تامل کے بعد وہ راضی ہو گیا۔ وہ چار ہزار فوج لے کر جسے ابن زیاد نے اسی غرض کے لیے تیار کر رکھا تھا، کربلا پہنچ گیا۔ وہاں پہنچ کر اُس نے عروہ بن لیس الاحمسی کا حکم دیا کہ وہ حضرت حسینؓ کے پاس جائے اور اُن سے پوچھے کہ وہ کس غرض سے یہاں آئے ہیں۔ عروہ اُن لوگوں میں سے تھا۔ جنھوں نے آپ کو کوفہ بلانے کے لیے خطوط لکھے تھے۔ اب اُسے یہ سوال کرنے کی غرض سے آپ کے پاس جاتے ہوئے بڑی شرم محسوس ہوئی اور اُس نے یہ خدمت بجا لانے سے انکار کر دیا۔ اس کے انکار کے بعد دوسرے لوگوں کے سپرد یہ کام کیا گیا لیکن اُن میں سے ہر شخص حضرت حسینؓ کے بلانے والوں میں شامل تھا۔ اس لیے کوئی بھی شخص آپ کے پاس جانے پر آمادہ نہ ہوا۔ آخر کار عمرو بن سعد نے قرہ بن سفیان حنظلی کو آپ کے پاس بھیجنے کے لیے تیار کر لیا اور اُس سے کہا تم اُن سے صرف یہ پوچھنا کہ یہاں آنے سے آپ کی غرض کیا ہے؟"

چنانچہ قرہ بن سفیان حضرت حسینؓ کے پاس آیا اور یہی سوال کیا۔

آپ نے فرمایا ''تمہارے شہر والوں نے مجھے پے در پے خطوط لکھ کر بلایا اب اگر تمھیں میرا آنا ناپسند ہے تو میں واپس مکہ مکرمہ چلا جاتا ہوں۔''

جب عمرو سعد کو حضرت حسینؓ کا یہ جواب ملا تو اُس نے اطمینان کا اظہار کیا اور کہا ''امید ہے کہ اب اللہ تعالیٰ مجھے حسینؓ کے ساتھ جنگ کرنے سے بچالے گا۔''

اُس نے حضرت حسینؓ کے جواب سے ابن زیاد کو اطلاع دے دی۔ ابن زیاد نے عمرو بن سعد کا خط پڑھ کر کہا:

''اب کہ وہ ہمارے چنگل میں آ پھنسا ہے بچ کر نکل جانا چاہتا ہے لیکن اب نکل بھاگنے کا وقت نہیں۔''

یہ کہہ کر اس نے ابن سعد کو جواب لکھا:

''تمہارا خط ملا تم نے جو کچھ تحریر کیا ہے میں اُسے اچھی طرح سمجھ گیا ہوں۔

تم حسینؓ اور اُن کے تمام ساتھیوں سے یزید کی بیعت لو۔ اگر وہ بیعت کر لیں تو پھر دیکھیں گے کہ کیا کرنا چاہیے۔ حسینؓ اور ان کے تمام ساتھیوں پر پانی بھی بند کر دو جس طرح امیر المومنین حضرت عثمانؓ بن عفان پر بند کیا گیا تھا۔''

چنانچہ عمرو بن سعد نے، محرم کو پانچ سو سوار دریائے فرات پر بھیج دیے اور انھیں تاکید کر دی کہ حضرت حسینؓ اور اُن کے ساتھیوں تک پانی کا ایک قطرہ بھی نہ پہنچنے پائے۔

عبداللہ بن ابی الحصین ازدی نے حضرت حسینؓ سے پکار کر کہا۔ ''اے حسینؓ! تم پانی کو دیکھتے ہو؟ واللہ! تمھیں ایک قطرہ بھی نہیں مل سکتا۔ تم اسی طرح پیاسے مرو گے۔''

جب حضرت حسینؓ اور آپ کے ساتھیوں پر پیاس کا غلبہ ہوا تو آپ نے اپنے سوتیلے بھائی عباسؓ بن علیؓ کو پانی لانے کے لیے بھیجا وہ بیس پیدل اور تیس سوار لے کر دریائے فرات کے کنارے تک پہنچ گئے اور مشکیں بھر کر واپس آ گئے۔

اس کے بعد حضرت حسینؓ نے عمرو بن قرظہ بن کعب انصاری کے ہاتھ عمرو بن

سعد کو کہلا بھیجا کہ آج رات مجھ سے تم تنہائی میں آ کر ملو۔ چنانچہ عمرو اور حضرت حسینؓ رات کے وقت اپنے اپنے خیموں سے نکلے اور دونوں لشکروں کے درمیان ایک مقام پر دونوں کی خفیہ بات چیت ہوئی جو خاصی دیر تک جاری رہی۔ بہت رات گئے وہ دونوں اُٹھے اور اپنے اپنے لشکر میں واپس آ گئے لیکن کسی شخص کو یہ معلوم نہ ہو سکا کیا گفتگو ہوئی۔

عقبہ بن سمعان کہتے ہیں کہ میں حضرت حسینؓ کے ساتھ مدینہ منورہ سے مکہ مکرمہ تک اور مکہ مکرمہ سے عراق تک رہا اور آپ کی شہادت کے دن تک آپ سے علیحدہ نہ ہوا۔ شہادت کے وقت تک آپ نے جو تقریریں کیں وہ بھی میں نے سنیں۔ ان میں آپ یہی فرماتے تھے:

''مجھے چھوڑ دو کہ میں جس جگہ سے آیا ہوں اُسی جگہ واپس چلا جاؤں، یا مجھے کسی اور جگہ جانے دو۔ اللہ تعالیٰ کی زمین بہت وسیع ہے جب تک لوگ کوئی فیصلہ نہ کر لیں میں کہیں نکل جاؤں گا۔''

اس ملاقات کے بعد حضرت حسینؓ اور عمرو بن سعد تین چار بار اور ملے۔ آخر عمرو نے ابن زیاد کو یہ خط لکھا:

''اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اُس نے فتنہ ٹھنڈا کر دیا، پھوٹ دور کر دی اور اتفاق پیدا کر دیا۔ حسینؓ نے مجھ سے ان تین باتوں میں سے کوئی ایک بات ماننے کا وعدہ کیا ہے۔

(۱) وہ جہاں سے آئے ہیں وہیں چلے جائیں گے۔ یا

(۲) مسلمانوں کی کسی ایسی سرحد پر جہاں ہم چاہیں چلے جائیں گے، یا

(۳) یزید کے پاس جا کر خود اُس سے اپنا معاملہ طے کر لیں گے۔ اُمید ہے آپ تجویزوں کو پسند کریں گے کیونکہ ان میں امت کے لیے بہتری ہے۔

جب ابن زیاد نے یہ خط پڑھا تو وہ متاثر ہو گیا اور اُس نے کہا ''یہ خط ایک ایسے آدمی کا ہے جو اپنے امیر کا خیر خواہ اور اپنی قوم پر مہربان ہے میں ان تجاویز کو قبول کرتا ہوں۔''

اس پر شمر بن ذی الجوشن کھڑا ہوا اور اُس نے کہا:

''کیا آپ ان تجاویز کو قبول کر لیں گے جب حسینؓ آپ کے قبضے میں آ چکے ہیں۔؟ واللہ! اگر حسینؓ ہاتھ سے نکل گئے اور اُنھوں نے آپ کی اطاعت قبول نہ کی تو وہ آگے چل کر ضرور قوت و شوکت حاصل کر لیں گے اور آپ کمزور و عاجز ہو جائیں گے۔ آپ اُنھیں یہ قدر و منزلت حاصل کرنے کا موقع نہ دیں۔ اُنھیں حکم دیں کہ وہ اور ان کے ساتھی اپنے کو آپ کے حوالے کر دیں۔ اس صورت میں اگر آپ اُنھیں سزا دیں گے تو سزا دینا آپ کا حق ہوگا اور اگر معاف کر دیں گے تو اُس کا بھی آپ کو اختیار ہوگا۔ مجھے معلوم ہوا ہے کہ حسینؓ اور عمر ورات بھر دونوں لشکروں کے درمیان باہم سرگوشیاں کرتے رہتے ہیں۔''

ابن زیاد نے کہا ''تم نے مجھے ٹھیک رائے دی ہے تم یہ خط لے کر عمرو کے پاس چلے جاؤ اور حسینؓ اور اُن کے ساتھیوں سے کہو کہ وہ اپنے کو ہمارے حوالے کر دیں۔ اگر وہ اس پر رضا مند ہو جائیں تو اُنھیں حفاظت سے میرے پاس بھیج دو اور اگر انکار کریں تو اُن سے لڑو۔ اگر عمرو میرے احکام بجالانے کے لیے تیار ہو تو تم بھی اس کی اطاعت کرو لیکن اگر انکار کر دے تو اسے ہٹا کر فوج کی قیادت خود اپنے ہاتھ میں لے لینا اور اس کی گردن مار کر اس کا سر میرے پاس بھیج دینا۔''

ابن سعد کے نام ابن زیاد نے جو خط بھیجا تھا وہ یہ تھا:

''میں نے تمہیں اس لیے نہ بھیجا تھا کہ تم حسینؓ کو ڈھیل دیتے جاء اور اُن کے متعلق سفارشیں بھیجتے چلے جاؤ۔ تم حسینؓ اور اُن کے ساتھیوں سے بلا شرط ہتھیار ڈالنے کے لیے کہو۔ اگر وہ مان جائیں تو ان سب کو میرے پاس حفاظت اور سلامتی سے بھیج دو اور اگر انکار کریں تو اُن پر فوراً حملہ کر دو اور اُنھیں قتل کر کے ان کا مثلہ کر دو کیونکہ وہ اسی کے مستحق ہیں۔ حسینؓ کے قتل کے بعد ان کی لاش گھوڑوں سے روند ڈالنا کیونکہ وہ باغی ہیں جماعت میں تفرقہ ڈالنے والے ہیں۔ ظالم ہیں اگر تم نے ہمارے احکام کی تعمیل کی تو ہم تمہیں بیش

قرار انعامات سے نوازیں گے۔ اور اگر یہ کام تم سے نہ ہو سکے تو فوج کو شمر بن ذی الجوشن کے حوالے کر کے تم الگ ہو جاؤ والسلام۔"

جب شمر نے ابن زیاد کا خط عمرو بن سعد کو لا کر دیا تو اُس نے اُسے پڑھ کر کہا "تمھارا بُرا ہو اور جو چیز تم میرے پاس لائے ہو اُس کا بھی بُرا ہو واللہ! معلوم ہوتا ہے کہ جو کچھ میں نے ابن زیاد کو لکھا تھا تمھیں نے اُسے اُس کے قبول کرنے سے روکا ہے ہمیں صلح کی امید تھی لیکن تم نے ہمارا کام بگاڑ دیا۔ واللہ! حسینؓ کبھی ہماری اطاعت اور فرماں برداری قبول نہ کریں گے کیونکہ ان کے پہلو میں ایک خوددار دل ہے۔"

شمر نے یہ سُن کر کہا "جو کچھ تمھیں کرنا ہے وہ مجھے بتاؤ کیا تم امیر کے حکم کی اطاعت کرو گے اور دشمن سے لڑو گے یا نہیں؟ اگر تمہارا لڑنے کا ارادہ نہیں تو فوج میرے حوالے کر دو۔"

اب عمر بن سعد مجبور ہو گیا اور اُس نے کہا "میں امیر کے حکم کی تعمیل میں ان لوگوں سے جنگ کروں گا۔ تم پیدل فوج کی نگرانی کرو۔"

ابن سعد نے ۹ محرم شام جنگ کی تیاریاں شروع کر دیں شمر کی پھوپھی ام البنین بنت خرام حضرت علیؓ کی زوجہ تھیں اور اُن کے بطن سے عباسؓ جعفرؓ عبداللہ اور عثمانؓ پیدا ہوئے تھے۔ شمر نے ابن زیاد سے کہہ کر اُن کے لیے امان حاصل کر لی تھیں۔ لڑائی شروع ہونے سے پہلے اس نے ان چاروں صاحبزادوں کو بلایا اور کہا میں نے ابن زیاد سے تمہارے لیے امان حاصل کر لی ہے۔ اُنھوں نے جواب دیا:

"تم پر اور تمہاری امان پر اللہ تعالیٰ کی لعنت! تم ہمیں تو امان دیتے ہو لیکن ابن رسول اللہ ﷺ کے لیے امان نہیں؟ ہمیں تمہاری امان کی حاجت نہیں۔"

۹ محرم ہی کو ابن سعد چند لوگوں کو ساتھ لے کر حضرت حسینؓ کے خیموں کی طرف آیا۔ حضرت حسینؓ نے تلوار حمائل کر رکھی تھی اور گھٹنوں پر سر رکھے سو رہے تھے۔ آپ کی بہن حضرت زینبؓ نے شور سُن کر آپ کو جگایا۔ آپ کے بھائی حضرت عباسؓ نے آ کر کہا کہ

ابن سعد آیا ہے اور آپ سے ملنے کا خواہش مند ہے آپ نے باہر جانے کا ارادہ کیا لیکن حضرت عباسؓ نے کہا ''آپ یہیں ٹھہریے میں خود جا کر اس سے بات چیت کرتا ہوں۔'' چنانچہ وہ بیس سواروں کے ساتھ جن میں زہیر بن قین اور حبیب بن مظاہر شامل تھے، ابن سعد کے پاس آئے اور اُس کی آمد کا مقصد پوچھا۔ ابن سعد کے ساتھیوں نے جواب دیا:

''امیر اس غرض سے آئے ہیں کہ یا تو آپ بلا شرط ہتھیار ڈال دیں ورنہ مقابلے کے لیے تیار ہو جائیں۔''

حضرت عباسؓ نے جواب دیا ''اچھا ذرا ٹھہر میں ابو عبداللہ (حضرت حسینؓ) کے پاس جاتا ہوں اور اُنھیں تمہاری آمد کی غرض سے آگاہ کرتا ہوں۔''

چنانچہ وہ حضرت حسینؓ کو اس الٹی میٹم سے آگاہ کرنے اُن کے خیمے میں گئے۔ آپ کے ساتھی ابن سعد کے سواروں سے باتیں کرتے اور اُنھیں خدا کا خوف دلاتے رہے۔

جب حضرت عباسؓ نے حضرت حسینؓ کو ابن سعد کا پیغام دیا تو آپ نے فرمایا:

''اُن کے پاس جاؤ اور اگر ممکن ہو تو اُنھیں کل تک کے لیے ٹال دو تا کہ ہم اس رات اپنے رب کی عبادت کر لیں، دعائیں مانگ لیں اور استغفار کر لیں۔ اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ مجھے نماز پڑھنے قرآن کریم کی تلاوت کرنے اور کثرت سے دعا و استغفار کرنے کا کس قدر شوق ہے۔''

حضرت عباسؓ ابن سعد کے پاس گئے اور اُس سے کہا ''تم فی الحال لوٹ جاؤ۔ ہم رات کو تمہارے مطالبے پر غور کریں گے اور صبح کو قطعی جواب دے دیں گے۔ اگر مطالبہ ماننا ہو گا مان لیں گے اگر مسترد کرنا ہو گا مسترد کریں گے۔''

ابن سعد نے شمر سے پوچھا ''تمہاری کیا رائے ہے؟''

اُس نے جواب دیا ''آپ امیر ہیں'' جو مناسب سمجھیں کریں۔''

ابن سعد نے اپنے دوسرے ساتھیوں سے رائے لی کہ کیا کرنا چاہیے۔

عمرو بن حجاج زبیدی نے کہا "سبحان اللہ! یہ تو اہل بیتؓ ہیں، اگر ویلمی بھی، جن کی سرکوبی کے لیے آپ کو بھیجا جارہا تھا، آپ سے یہ درخواست کریں تو آپ کو قبول کرنا چاہیے۔"

قیس بن اشعث بن قیس نے کہا "آپ اُنھیں مہلت دے دیجیے۔ البتہ یہ بات ضرور ہے کہ یہ لوگ ہتھیار کسی صورت میں نہ ڈالیں گے اور آپ سے مقابلے کے لیے میدان میں نکل آئیں گے۔"

اپنے ساتھیوں سے رائے لینے کے بعد ابن سعد نے حضرت عباسؓ کی جانب رُخ کیا اور کہا "ہم نے تمہاری درخواست پر تمہیں کل تک کے لیے مہلت دے دی ہے" یہ کہہ کر واپس چلا آیا۔

ابن سعد کے واپس جانے کے بعد حضرت حسینؓ نے اپنے تمام ساتھیوں کو جمع کیا اور حسب ذیل خطبہ دیا:

"میں اللہ تعالیٰ کی حمد و ستائش کرتا ہوں اور مصیبت و راحت ہر حال میں اُس کا شکر گزار ہوں۔ اے اللہ تعالیٰ! میں تیری ستائش کرتا ہوں کہ تُو نے ہمارے خاندان کو نبوت کی نعمت سے سرفراز کیا۔ ہمیں کان دیے تاکہ ہم تیری باتیں سُن سکیں آنکھیں دیں تاکہ تیرے انعامات ملاحظہ کر سکیں۔ اور دل دیا تاکہ ہم غور و فکر سے کام لے سکیں۔ تو نے ہمیں قرآن کریم کا علم دیا اور ہمیں دین کی فراست عطا کی۔ اب تو ہمیں شکر گزار بندوں میں شامل فرما میں نے اپنے ساتھیوں سے زیادہ وفادار اور نیک ساتھی کہیں نہیں دیکھے اور اپنے اہل بیعت سے زیادہ نیکوکار اور صلہ رحمی کرنے والے رشتہ دار کہیں نہیں پائے۔ اے اللہ! ان سب کو جزائے خیر دے۔ (اے ساتھیو) تم نے ہم سے نیکی کی اور ہماری مدد کی۔ کل کا دن میرے اور دشمنوں کے درمیان آخری فیصلے کا ہے۔ اُنھیں صرف میری ضرورت ہے اس لیے میں تمہیں بخوشی واپسی کی اجازت دیتا ہوں۔ میری طرف سے کوئی شکایت نہ ہوگی۔ رات ہو چکی ہے میرے اہل بیعت کا ہاتھ پکڑو، تاریکی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ادھر اُدھر

چلے جاؤ اور اپنی جانوں کو ہلاکت سے بچاؤ۔"

یہ سُن کر آپ کے بھائیوں، بیٹوں، بھتیجوں اور تمام عزیزوں، ساتھیوں نے یک زبان ہو کر کہا۔ "ہم آپ کے بعد زندہ رہ کر کیا کریں گے! اللہ تعالیٰ ہمیں اُس دن کے لیے باقی نہ رکھے!" سب سے پہلے بنو عقیل نے کہا:

"معاذ اللہ! اگر ہم آپ کو چھوڑ کر چلے گئے تو لوگوں کو کیا جواب دیں گے؟ کیا ہم اُنھیں یہ کہیں گے کہ ہم اپنے سردار، اپنے آقا اور اپنے عم زادہ کو چھوڑ کر چلے آئے؟ ہم نے اُن کے لیے ایک تیر بھی نہ چلایا، اُن کے لیے ایک نیزہ بھی نہ مارا ان کے لیے تلوار کا ایک وار بھی نہ کیا۔ اور ہمیں معلوم نہیں کہ ان پر کیا بیتی؟ واللہ! ہم ہرگز ایسا نہ کریں گے۔ ہم اپنی جانیں، اموال اور اہل و عیال سب آپ پر قربان کر دیں گے۔ آپ کے ساتھ ہو کر دشمنوں سے لڑیں گے۔ جو انجام آپ کا ہو گا وہی ہمارا ہو گا۔ اللہ تعالیٰ آپ کے بعد ہمیں زندہ نہ رکھے!"

مُسلم بن عوسجہ نے کھڑے ہو کر یہ تقریر کی:

"کیا ہم آپ کو چھوڑ کر چلے جائیں اور اللہ تعالیٰ کے سامنے آپ کے حقوق ادا کرنے کا عذر کریں؟ واللہ! میں اس وقت تک آپ کا ساتھ نہ چھوڑوں گا۔ جب تک دشمنوں کے سینوں میں نیزہ نہ توڑ ڈالوں اور جب تک تلوار میرے ہاتھ میں صحیح و سالم رہے اسے چلا نہ لوں۔ اگر میرے تمام ہتھیار ٹوٹ بھی جائیں گے تو میں ان پر پتھر پھینکنا شروع کر دوں گا یہاں تک کہ موت میرا خاتمہ کر دے۔"

آپ کے باقی ساتھیوں نے بھی اُٹھ اُٹھ کر اپنی جاں نثاری اور عقیدت کا اظہار کیا۔ حضرت حسینؓ اپنے ساتھیوں کے اس جذبہ عقیدت سے بے حد متاثر ہوئے اور آپ نے جنگ کی تیاری کرنے کا حکم دے دیا۔

آپ کے صاحبزادے حضرت زین العابدین علیؓ بن حسینؓ روایت کرتے ہیں کہ اس رات "جس کی صبح کو میرے والد شہید ہوئے۔ میں بیمار تھا اور میری پھوپھی حضرت

زینبؓ میری تیمار داری کر رہی تھیں۔ خیمے میں ابو ذر غفاری کے غلام جوین آپ کی تلوار صاف کر رہے تھے اور میرے والد یہ شعر پڑھ رہے تھے:

''اے زمانے تجھ پر افسوس! تو کیسا بے وفا دوست ہے۔ صبح اور شام تیرے ہاتھوں کتنے لوگ مارے جاتے ہیں، زمانہ کسی کی رعایت نہیں کرتا اور کسی سے کوئی عوض قبول نہیں کرتا۔ اب سارا معاملہ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے اور ہر زندہ موت کی راہ چلا جا رہا ہے۔''

ان اشعار کو آپ نے دو تین بار دُہرایا۔ میں سمجھ گیا کہ یہ پڑھنے سے آپ کا مقصد کیا ہے پھر بھی میں خاموش رہا۔ لیکن میری پھوپھی حضرت زینبؓ یہ اشعار سُن کر اپنے آپ کو قابو میں نہ رکھ سکیں۔ وہ دوڑتی ہوئی آپ کے پاس آئیں اور آپ سے لپٹ کر کہنے لگیں:

''کاش! آج موت میری زندگی کا خاتمہ کر دیتی۔ میری والدہ حضرت فاطمہؓ مجھے چھوڑ کر چل دیں۔ میرے والد حضرت علیؓ دنیا سے رخصت ہو گئے۔ میرے بھائی حضرت حسنؓ باقی نہ رہے۔ ان گزرے ہوؤں کے جانشین اور ہم لوگوں کے محافظ اب ایک تمھیں رہ گئے ہو۔''

حضرت حسینؓ نے اُن کی طرف دیکھا اور فرمایا ''اے بہن اپنے علم اور وقار کو شیطان کے حوالے نہ کرو۔''

پھوپھی نے کہا ''کیا آپ اپنے کو مجھ سے الگ الگ رکھنا چاہتے ہیں؟ واللہ اس بات سے میرے دل کے ٹکڑے ٹکڑے ہوئے جاتے ہیں۔'' یہ کہہ کر وہ بے ہوش ہو کر گر پڑیں۔

میرے والد نے ان کے منہ پر پانی کے چھینٹے دیے۔ جب اُنھیں ہوش آیا تو فرمایا:

''بہن! اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور اللہ تعالیٰ سے تسکین حاصل کرو۔ اچھی طرح جان

لو کہ تمام اہل زمین مر جائیں گے اور آسمان والوں میں سے بھی کوئی باقی نہ رہے گا اللہ تعالیٰ کے سوا ہر چیز فنا ہونے والی ہے۔ میرے والد مجھ سے بہتر تھے۔ میری والدہ مجھ سے بہتر تھیں۔ میرے بھائی مجھ سے بہتر تھے۔ میرے اور ہر مسلمان کے لیے رسول اللہ ﷺ کی ذات نمونہ ہے۔ تم اسی نمونے سے صبر حاصل کرو آپ اسی طرح کی باتیں کرتے رہے۔ پھر فرمایا۔"

"اے میری بہن! میں تمہیں قسم دیتا ہوں کہ جب میں مر جاؤں تو گریبان چاک نہ کرنا۔ اپنا چہرہ نہ نوچنا اور آہ دبکا نہ کرنا۔"

"یہ کہہ کر آپ باہر آئے اور اپنے ساتھیوں کو حکم دیا کہ وہ اپنے منتشر خیموں کو یکجا کر لیں۔ اور صبح کو دشمن کا مقابلہ اس طرح کریں کہ اُن کے خیمے اُن کے دائیں بائیں اور پیچھے ہوں تا کہ دشمن پیچھے سے حملہ نہ کر سکے۔ یہ ہدایت دے کر آپ اپنے خیمے میں تشریف لے آئے اور ساری رات نماز پڑھنے اور دعا و استغفار کرنے میں گزاری۔ آپ کے ساتھی بھی رات بھر اللہ تعالیٰ کے حضور میں کھڑے رہے اور استغفار کرتے رہے۔ دشمنوں کے گھوڑے برابر خیموں کے گرد چکر لگاتے رہے تا کہ کوئی شخص بچ کر نہ نکل سکے۔

☆......☆......☆

کرب وبلا

۱۰ محرم کی صبح خون آلود اُفق کے ساتھ نمودار ہوئی۔ صبح کی نماز کے بعد حضرت حسینؓ نے اپنے ساتھیوں کی صف بندی کی۔ آپ کے ساتھ صرف بتیس سوار اور چالیس پیادے تھے۔ میمنہ پر آپ نے زہیر بن قین کو مقرر کیا اور میسرہ پر حبیب بن مظاہر کو جھنڈا اپنے بھائی حضرت عباسؓ کو دیا۔ فوج کی ترتیب اس طرح تھی کہ خیمے پشت پر تھے۔ پشت کو اور زیادہ محفوظ بنانے کے لیے آپ نے حکم دیا ہے پچھلی طرف چند گڑھوں میں، جو خندق کے مشابہ تھے، آگ جلا دی جائے تا کہ دشمن پچھلی طرف سے حملہ آور نہ ہو سکے۔

عمرو بن سعد نے اپنے لشکر کو یوں ترتیب دیا تھا کہ میمنہ پر عمرو بن حجاج زبیدی کو میسرہ پر شمر بن ذی الجوشن کو، سواروں پر عروہ بن قیس الاحمسی کو اور پیادوں پر شیث بن ربعی کو مقرر کیا تھا۔ جھنڈا اپنے غلام درید کو دیا تھا۔

لڑائی شروع ہونے سے پہلے حضرت حسینؓ دشمن کے لشکر سے مخاطب ہوئے اور حمد وثنا کے بعد یہ تقریر فرمائی:

''اے لوگو! جلدی نہ کرو۔ پہلے میری بات سُن لو۔ مجھ پر تمہیں سمجھانے کا جو حق ہے اُسے پورا کر لینے، اور میرے آنے کی وجہ بھی سن لو۔ اگر تم میرا عذر قبول کر لو گے اور مجھ سے انصاف کرو گے تو تم انتہائی خوش بخت انسان ہو گے لیکن اگر تم اس کے لیے تیار نہ ہوئے تو تمہاری مرضی۔ تم اور تمہارے شریک سب مل کر میرے خلاف زور لگا لو اور مجھ سے جو برتاؤ کرنا چاہتے ہو کر ڈالو۔ اللہ تعالیٰ میرا کارساز ہے اور وہی اپنے نیک بندوں کی مدد

کرتا ہے۔"

جب آپ کی بہنوں اور بیٹیوں نے یہ تقریر سُنی تو شدتِ رنج کی وجہ سے اُن کی چیخیں نکل گئیں۔ جب آپ نے اُن کے رونے کی آوازیں سُنیں تو اپنے بھائی حضرت عباسؓ کو اُنھیں چُپ کرانے کے لیے بھیجا اور دل ہی دل میں کہا میری عمر کی قسم! ابھی اُنھیں بہت رونا ہے۔"

جب آپ کی بہنیں اور بیٹیاں خاموش ہوگئیں تو آپ نے پھر تقریر شروع کی:

"لوگو! تم حسب ونسب پر غور کرو اور دیکھو کہ میں کون ہوں۔ اپنے گریبانوں میں منہ ڈالو اور اپنے آپ کو ملامت کرو۔ تم خیال کرو، کیا تمھیں میرا قتل اور میری توہین زیب دیتی ہے؟ کیا میں تمہارے نبی کا نواسا اور اُن کے چچیرے بھائی کا بیٹا نہیں جنھوں نے سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کی آواز پر لبیک کہی اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان لائے؟ کیا سید الشہداء حضرت امیر حمزہؓ میرے والد کے چچا نہ تھے؟ کیا حضرت جعفر طیارؓ میرے چچا نہ تھے؟ تمھیں رسول اللہ ﷺ کا وہ قول یاد نہیں جو اُنھوں نے میرے اور میرے بھائی کے متعلق فرمایا تھا کہ یہ دونوں، جوانانِ جنت کے سردار ہوں گے؟ اگر میرا یہ بیان سچا ہے اور ضرور سچا ہے کیونکہ جب سے مجھے یہ معلوم ہوا ہے کہ جھوٹ بولنے والے پر اللہ تعالیٰ ناراض ہوتا ہے۔ اُس وقت سے آج تک میں نے کبھی جھوٹ نہیں بولا، تو بتاؤ کیا تمھیں ننگی تلواروں سے میرا مقابلہ کرنا چاہیے؟ اور اگر تم مجھے جھوٹا سمجھتے ہو تو آج بھی تم میں وہ لوگ موجود ہیں جنھوں نے میرے متعلق رسول اللہ ﷺ کی حدیث سنی ہے، تم اُن سے دریافت کر سکتے ہو۔ تم مجھے بتاؤ کہ کیا آپ کی اس حدیث کی موجودگی میں بھی میرا خون بہانے سے باز نہیں رہ سکتے؟"

حضرت حسینؓ کے بعض ساتھیوں نے بھی اسی قسم کی تقریریں کیں لیکن شمر بن ذی الجوشن اور اسی قماش کے اور لوگوں نے حضرت حسینؓ سے لڑنے کا فیصلہ کر ہی لیا۔ انھوں نے حضرت حسینؓ کی یہ پیش کش بھی رد کر دی کہ وہ انھیں یزید کے پاس لے چلیں، وہ خود اس سے

اپنا معاملہ طے کرلیں گے کیونکہ اُنھیں معلوم تھا کہ یزید اُن کی تعظیم و تکریم میں کوئی دقیقہ فرد گزاشت نہ کرے گا مگر ان لوگوں نے سمجھا کہ رسول اللہ ﷺ کے نواسے کو زیر کرنے کا یہ موقع دوبارہ ہاتھ نہ آئے گا۔ اس لیے خواہ کچھ ہی کیوں نہ ہو۔ اسے ہاتھ سے نہ کھونا چاہیے۔

مخالفین کے لشکر میں اس وقت صرف ایک شخص تھا جس کے دل پر حضرت حسینؓ کی باتوں سے چوٹ لگی۔ وہ تھا حُر بن یزید۔ یہی شخص تھا۔ جس نے سب سے پہلے حضرت حسینؓ اور آپ کی جماعت کو مکہ مکرمہ واپس جانے سے روکا تھا اور کربلا کے میدان میں محصور کر دیا تھا۔ وہ سالار لشکر عمرو بن سعد کے پاس آیا اور اس سے کہا:

"اللہ تعالیٰ تمھیں ہدایت دے" کیا تم اس انسان سے لڑو گے؟"

ابن سعد نے جواب دیا "ہاں، واللہ! ضرور لڑوں گا اور ایسی لڑائی جس میں کم از کم سر ضرور کٹیں گے اور ہاتھ شانوں سے الگ ہو جائیں گے۔"

حُر نے کہا "کیا ان شرطوں میں سے، جو اُنھوں نے تمہارے سامنے پیش کی ہیں، ایک بھی اس قابل نہیں کہ اُسے قبول کیا جائے؟"

عمرو بن سعد نے جواب دیا "واللہ! اگر میرے اختیار میں ہوتا تو میں اُنھیں ضرور منظور کر لیتا مگر کیا کروں تمہارے امیر نے اُنھیں منظور کرنے سے انکار کر دیا ہے؟"

یہ جواب سُن کر حُر نے آہستہ آہستہ حضرت حسینؓ کی طرف بڑھنا شروع کیا۔ اس کے قبیلے کے ایک شخص مہاجر بن اوس نے کہا "کیا تم حسینؓ پر حملہ کرنا چاہتے ہو؟" حُر خاموش رہا۔ مہاجر کو شک گزرا اور اُس نے حُر سے کہا:

"واللہ! تمہاری خاموشی انتہائی مشتبہ ہے۔ میں نے کبھی کسی جنگ میں تمہاری یہ حالت نہیں دیکھی جیسی آج دیکھ رہا ہوں۔ اگر مجھ سے پوچھا جائے کہ کوفہ میں سب سے شجاع شخص کون ہے تو میں بلا تامل تمہارا نام لے دوں گا لیکن تم یہ کیا کر رہے ہو؟"

حُر نے جواب دیا "یہ جنت یا دوزخ کے انتخاب کا موقع ہے۔ میں نے جنت کا

انتخاب کر لیا ہے، خواہ مجھے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا جائے یا جلا دیا جائے۔ یہ کہہ کر اُس نے گھوڑے کو ایڑ لگائی اور حضرت حسینؓ کے لشکر میں پہنچ گیا۔ وہاں پہنچ کر آپ سے عرض کی:

''اے ابن رسول اللہ ﷺ! اللہ تعالیٰ مجھے آپ پر قربان کرے! میں وہی بد نصیب شخص ہوں جس نے آپؓ کو واپس جانے سے روک کر اس جگہ محصور کر دیا۔ واللہ! مجھے یہ خیال ہرگز نہ تھا کہ یہ قوم آپؓ کی پیش کردہ شرطوں کو رد کر کے آپؓ سے یہ سلوک کرے گی۔ اگر مجھے علم ہوتا کہ یہ لوگ اس حد تک بڑھ جائیں گے تو میں کبھی اس عظیم گناہ کا مرتکب نہ ہوتا۔ اب میں اللہ تعالیٰ کے حضور تائب ہونے کے لیے آپ کے پاس آیا ہوں اور میں نے تہیہ کر لیا ہے کہ اس وقت تک آپ کی حفاظت کے لیے، دشمنوں سے لڑوں گا جب تک میرا ایک ایک عضو اس راہ میں نہ کٹ جائے اور میں اپنے رب کے حضور حاضر نہ ہو جاؤں۔ کیا اس طرح میری توبہ قبول ہو جائے گی؟''

حضرت حسینؓ نے فرمایا ''یقیناً اللہ تعالیٰ تمہاری توبہ قبول فرمائے گا اور تمہیں اپنے فضل سے بخشش عطا فرمائے گا۔''

حُر آگے بڑھا اور اپنے ساتھیوں سے، جو اُس کے سامنے کھڑے تھے، کہنے لگا:

''اے میری قوم! تم حضرت حسینؓ کی شرطوں کو جو اُنھوں نے تمہارے سامنے رکھی ہیں، قبول کیوں نہیں کر لیتے تاکہ اللہ تعالیٰ تمہیں ان کے ساتھ لڑائی سے محفوظ رکھے؟

اے اہل کوفہ! تمہیں وہ لوگ ہو جنھوں نے خطوط بھیج کر انھیں بلایا اور حتمی وعدے کیے کہ ہم آپؓ کے لیے اپنی جانیں قربان کر دیں گے۔ لیکن اب کہ وہ تمہارے پاس آ گئے تم اُن سے لڑنے کے لیے نکل آئے ہو تم نے اُن کا محاصرہ کر لیا ہے اور اللہ تعالیٰ کی وسیع زمین میں اُنھیں کسی جانب جانے بھی نہیں دیتے۔ اب وہ ایک قیدی کے مانند ہو گئے ہیں جو نہ اپنی مدد کر سکتا ہے اور نہ کسی تکلیف اور مصیبت کو اپنے سے دُور رکھ سکتا ہے۔ تم نے اُن پر اور اُن کے ساتھیوں پر فرات کا پانی بند کر دیا ہے جسے یہود ونصاریٰ اور مجوسی تو پی سکتے ہیں جانوروں کو بھی اس میں سے پینے میں کوئی روک نہیں لیکن حضرت حسینؓ کو ایک قطرہ پانی

کا نہیں مل سکتا۔ وہ اور ان کے ساتھی پیاس سے تڑپ رہے ہیں۔ لیکن تم کھڑے ہنس رہے ہو۔ تم نے رسول اللہ ﷺ کے بعد اُن کی اولاد کی خوب قدر دانی کی۔ اگر تم توبہ نہ کرو گے اور منہ سے باز نہ آؤ گے تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن پیاسا رکھ کر تڑپائے گا۔"

اس تقریر کا جواب حُر کو تیر کی صورت میں ملا۔ ابن سعد لشکر کے علم بردار درید کے ساتھ آگے بڑھا اور ترکش سے تیر نکال کر حضرت حسینؓ کی فوج پر چلاتے ہوئے پکار کر کہا:

"لوگو! گواہ رہو کہ سب سے پہلا تیر میں نے چلایا ہے۔"

اس کے بعد عمرو بن سعد کی فوج سے زیاد بن سمیہ کا غلام یسار نکلا اور مبارزت طلبی کی۔ حضرت حسینؓ کی فوج سے عبداللہ بن عمرو کلبی نکلے جو کوفہ سے بیوی سمیت آ کر حضرت حسینؓ کی فوج میں شامل ہوئے تھے۔ یسار نے پوچھا "تم کون ہو؟"

عبداللہ نے اپنا حسب نسب بیان کیا۔ یسار نے کہا:

"میں تمھیں نہیں جانتا۔ میرے مقابلے کے لیے زہیر بن قین حبیب بن مظاہر یا بربن خضیر میں سے کوئی نکلے۔"

عبداللہ نے کہا "تجھے اس سے کیا؟ تجھے تو لڑائی سے غرض ہے خواہ وہ کسی سے ہو۔ تیرے مقابلے کو جو بھی نکلے گا وہ تجھ سے بہترین ہوگا۔"

اس کے بعد عبداللہ آگے بڑھے اور تلوار کا ایسا ہاتھ مارا کہ اُس کے دو ٹکڑے ہو گئے۔ یہ دیکھ کر ابن زیاد کا غلام سالم آگے آیا اور جھپٹ کر عبداللہ پر وار کیا۔

عبداللہ نے اُسے اپنے داہنے ہاتھ پر روکا جس سے اُن کی ہتھیلی کی اُنگلیاں کٹ گئیں لیکن اس کے باوجود اُنھوں نے اُسے بھی مار گرایا جب اُن کی بیوی نے اس حالت میں اُنھیں لڑتے دیکھا تو وہ خیمے کی ایک چوب لے کر دوڑتی ہوئی ان کے پاس آئیں اور کہا:

"میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں، آپ آلِ محمد ﷺ کی طرف سے لڑتے رہیں۔"

عبداللہ نے بیوی کو واپس خیمے میں بھیجنا چاہا لیکن اُس نے واپس جانے سے انکار کر دیا اور کہا:

''جب تک میں آپ کے ساتھ جان نہ دے دوں گی۔ آپ کا ساتھ نہ چھوڑوں گی۔''

یہ دیکھ کر حضرت حسینؓ نے اُس سے کہا:

''اللہ تعالیٰ تمھیں میرے اہل بیت کی طرف سے بہتر جزا دے۔ تم لوٹ جاؤ کیونکہ عورتوں پر لڑنا فرض نہیں۔''

اس پر وہ مجبوراً واپس چلی گئی۔

اس کے بعد عمرو بن الحجاج، ابن سعد کے میمنہ کو لے کر حضرت حسینؓ کے میمنہ کی طرف بڑھا۔ جب وہ قریب پہنچا تو حضرت حسینؓ کے ساتھی زمین پر گھٹنے ٹیک کر کھڑے ہو گئے اور نیزے سیدھے کر دیے۔ گھوڑے ان نیزوں کی تاب نہ لا کر پیچھے ہٹے۔ حضرت حسینؓ کی فوج نے تیر چلانے شروع کر دیے اور بہت سے آدمی موت کے گھاٹ اتار دیے۔

اس کے بعد ابن سعد کی فوج میں سے ایک شخص عبداللہ بن حوزہ نکلا اور حضرت حسینؓ کے لشکر کے سامنے آ کر کہنے لگا۔ ''کیا تم میں حسینؓ ہے؟'' کسی نے کوئی جواب نہ دیا۔ دوبارہ اُس نے یہی فقرہ کہا۔ پھر بھی کسی نے جواب نہ دیا سہ بارہ کہنے پر لوگوں نے کہا ''ہاں، تمہارا مقصد کیا ہے''؟ ابن حوزہ نے کہا:

''اے حسینؓ میں تمہیں نارِ جہنم کی بشارت دیتا ہوں۔''

حضرت حسینؓ نے فرمایا ''تو جھوٹ بولتا ہے میں رحیم و کریم اور شفیع مطاع رب کے حضور جاؤں گا۔ تُو ہے کون؟''

اُس نے جواب دیا ''ابن حوزہ۔''

حضرت حُسینؓ نے ہاتھ اوپر اُٹھائے اور فرمایا ''اے اللہ! اسے دوزخ میں داخل

کرو" ابن حوزہ یہ سن کر غصے سے بے قابو ہو گیا۔ اسی دوران میں اس کا گھوڑا بدک گیا۔ اس کا پاؤں رکاب میں اٹک گیا اور وہ گھوڑے کی پیٹھ پر سے گر پڑا۔ گھوڑا سرپٹ بھاگا جا رہا تھا اور ابن حوزہ کا سر پتھروں اور درختوں سے ٹکرا رہا تھا، اسی حالت میں اُس کا کام تمام ہو گیا۔

مسروق بن وائل حضرمی نے جو ابن سعد کی فوج میں تھا، اس خواہش کا اظہار کیا تھا کہ کاش اُسے حضرت حسینؓ کا سر کاٹنے کا موقع ملے اور وہ اُسے لے کر ابن زیاد کے پاس جائے۔ جب اُس نے ابن حوزہ کا عبرت ناک انجام دیکھا تو اُسے اتنا خوف محسوس ہوا کہ وہ یہ کہتا ہوا کوفہ لوٹ گیا۔ "میں حسینؓ کے ساتھ کبھی نہ لڑوں گا۔"

ابھی تک باقاعدہ جنگ شروع نہ ہوئی تھی۔ طرفین سے ایک ایک دو دو آدمی نکلتے اور اپنے مدمقابل پر حملہ آور ہوتے۔ جنگ مبارزت میں حضرت حسینؓ کا پلہ بھاری تھا جو بھی شخص سامنے آتا مارا جاتا۔ حُر بن یزید اور دوسرے جاں نثاروں نے بہادری کا حیرت انگیز مظاہرہ کیا۔ ان کے سامنے ابن سعد کے بہادروں کی ایک نہ چلی۔ اُس کی وجہ یہ تھی کہ حضرت حسینؓ کے ساتھیوں کے سامنے صرف ایک مقصد تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کر سکیں۔ اس جذبے نے اُنھیں بے خوف بنا دیا تھا اور وہ موت کی قطعاً پروا نہ کرتے تھے لیکن ان کے مدمقابل جو لوگ تھے وہ محض انعام و اکرام کی خاطر جنگ کرنے آئے تھے۔ اُن میں وہ روح نہ تھی جو حضرت حسینؓ کے ساتھیوں میں جاری و ساری تھی۔

جب شامی فوج متعدد آدمیوں کا نقصان اُٹھا چکی تو میمنہ کے سالار عمرو بن حجاج نے پکار کر کہا کہ انفرادی جنگ بند کر دی جائے اور عام حملہ شروع کر دیا جائے۔ چنانچہ انفرادی لڑائی بند ہو گئی۔ اور خود عمرو بن الحجاج فرات کی جانب سے حضرت حسینؓ کی فوج پر حملہ آور ہوا۔ تھوڑی دیر تک لڑائی جاری رہی۔ حضرت حسینؓ کی طرف سے شہادت کا شرف سب سے پہلے مسلم عوسجہ کو حاصل ہوا۔ تھوڑی دیر کے لیے جب لڑائی بند ہوئی اور عمرو بن حجاج اپنا دستہ لے کر واپس چلا گیا تو حضرت حسینؓ مسلم کے پاس پہنچے۔ ابھی ان میں تھوڑی سی جان باقی تھی۔ حضرت حسینؓ نے فرمایا:

"اے ابنِ عوسجہ! اللہ تعالیٰ تم پر رحمت نازل فرمائیں! اس کے بعد یہ آیت پڑھی۔

منهم من قضى نحبه و منهم من ينتظر وما بدلوا تبديلا

(ان میں سے بعض نے اپنا عہد پورا کر دیا اور بعض انتظار کر رہے ہیں۔ ان کے ایمان میں کوئی تبدیلی نہیں آئی۔)

حضرت حسینؓ کے بعد حبیب بن مظاہر مسلم بن عوسجہ کے پاس پہنچے اور کہا:

"میں تمہیں جنت کی بشارت دیتا ہوں۔ اگر مجھے یقین نہ ہوتا کہ میں عنقریب تمہارے پاس پہنچوں گا تو تم سے وصیت کی درخواست کرتا اور اُسے پورا کرتا۔"

مسلم بن عوسجہ نے حضرت حسینؓ کی طرف اشارہ کر کے کہا "میں تمہیں صرف ان کے بارے میں وصیت کرتا ہوں کہ تم مٹنا مگر اپنے سامنے انھیں کوئی گزند نہ پہنچنے دینا۔" یہ کہہ کر اُنھوں نے جان دے دی۔

حضرت حسینؓ کے ساتھی جان توڑ کر لڑے جو آدمی جس طرف رخ کرتا صفوں کی صفیں اُلٹ دیتا تھا۔ یزید بن کندی عمرو بن سعد کے ساتھ کوفہ سے آیا تھا۔ لیکن جب ابن سعد نے حضرت حسینؓ کی شرائط کو مسترد کر دیا تو وہ حضرت حسینؓ کی فوج کے ساتھ شامل ہو گیا تھا۔ وہ اپنے گھٹنوں کے بل زمین پر بیٹھ گیا اور دشمنوں پر تیر چلانے لگا۔ سو تیر چلائے جن میں سے صرف پانچ خطا گئے۔ جب وہ تیر چلاتا' حضرت حسینؓ فرماتے "اے اللہ! اس کو تیروں کو نشانے پر بٹھا اور اس کے بدلے اسے جنت عطا فرما"

یہ حالت دیکھ کر شمر بن ذی الجوشن نے عمرو بن سعد کے میسرے کے ساتھ چاروں طرف سے حملہ کر دیا۔ لیکن آپ کے ساتھی بے جگری سے لڑے اور اس حملے کو بھی پسپا کر دیا۔ آخر سوار دستے کے سردار عروہ بن قیس نے عمر بن سعد کو پیغام بھیجا ان گنتی کے چند لوگوں نے ہمارا برا حال کر دیا ہے تم ہماری مدد کے لیے کچھ پیادہ اور کچھ تیر انداز بھیجو۔

عمرو بن سعد نے پانچ سو تیر اندازوں کا ایک دستہ حصین بن نمیر کی سرکردگی میں

مدد کے لیے روانہ کر دیا۔ حصین بن نمیر نے اپنے آدمیوں کو تیر چلانے کا حکم دیا۔ تیروں سے حضرت حسینؓ کی فوج کے گھوڑے زخمی ہو گئے اور سواروں کو مجبوراً گھوڑوں سے اترنا پڑا۔

حر بن یزید کا گھوڑا بھی زخمی ہو گیا۔ وہ گھوڑے سے کود پڑا اور تلوار ہاتھ میں لے کر دشمنوں کی صف میں گھس گیا۔ دشمن چاروں طرف سے اُس پر ٹوٹ پڑا اُسے شہید کر دیا۔

دوپہر ہو گئی لیکن حضرت حسینؓ کی فوج میں ضعف کے آثار نمودار ہوئے نہ ابن سعد کی فوج غلبہ حاصل کر سکی۔ وجہ یہ تھی حضرت حسینؓ نے زخیموں کی ترتیب اس طرح رکھی تھی کہ دشمن صرف ایک جانب سے حملہ کر سکتا تھا۔ آخر ابن سعد نے حکم دیا کہ حسینؓ کی فوج کے دائیں اور بائیں جو خیمے ہیں انھیں گرا دیا جائے لیکن یہ تدبیر بھی کارگر نہ ہو سکی۔ حضرت حسینؓ نے چار پانچ آدمی خیموں کی آڑ میں چھپا دیے جو آدمی اُن کی زد میں آتا وہ اسے تیروں کے ذریعے سے ہلاک کر دیتے یا تلواروں سے قتل کر دیتے۔ یہ دیکھ کر عمرو بن سعد نے خیموں کو آگ لگانے کا حکم دیا۔ حضرت حسینؓ نے فرمایا:

کچھ پروا نہیں۔ انھیں جلا دو یہ ہمارے لیے اور بھی بہتر ہے کیونکہ اب یہ لوگ پیچھے سے حملہ نہ کر سکیں گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

اسی دوران میں عبداللہ بن عمیر کلبی بھی شہید ہو چکے تھے ان کی شہادت کے بعد ان کی بیوی ان کے پاس جا کر سر سے مٹی پونچھنے لگیں۔ مٹی پونچھتی جاتی تھیں اور کہتی جاتی تھیں ''تمھیں جنت مبارک ہو''۔ شمر نے اپنے غلام رستم کو حکم دیا کہ اس عورت کو جا کر قتل کر دو۔ رستم نے جا کر خیمے کی چوب سے اس کا سر کچل دیا۔

شمر بن ذی الجوشن نے ایک زوردار حملہ کیا اور حضرت حسینؓ کے خیمے تک پہنچ گیا۔ قریب پہنچ کر اُس نے ساتھیوں کو حکم دیا کہ اس خیمے کو جلا دیا جائے۔ حضرت حسینؓ نے فرمایا تو میرے اہل بیت کو جلانا چاہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ تجھے دوزخ کی آگ میں جلائے۔ شبث بن ربعی نے بھی اسے لعنت ملامت کی۔ آخر شمر وہاں سے چلا گیا۔ اس کے جانے کے بعد

زہیر بن قین نے دس آدمیوں کے ساتھ ان لوگوں پر جو خیموں کو جلانے میں مصروف تھے، حملہ کر دیا اور ایک شخص ابو عزہ کو قتل کر ڈالا۔

اب حضرت حسینؓ کے ساتھ بہت تھوڑے آدمی رہ گئے تھے باقی شہید ہو چکے تھے۔ کوفیوں کے بھی متعدد آدمی قتل ہوئے تھے چونکہ ان کا ایک لشکر جرار میدان میں موجود تھا اس لیے اگر ان کے چند آدمی قتل ہو جاتے تھے تو کوئی کمی محسوس نہ ہوتی تھی۔ لیکن حضرت حسینؓ کی فوج کے ایک آدمی کے شہید ہو جانے سے بھی نمایاں کمی محسوس ہوتی تھی۔

ظہر کی نماز کا وقت جا رہا تھا۔ حضرت حسینؓ نے اپنے آدمیوں سے فرمایا کہ دشمنوں سے کہو وہ ہمیں نماز پڑھنے دیں لیکن دشمن نے یہ درخواست نامنظور کر دی اس لیے مجبوراً لڑائی ہی کی حالت میں صلوٰۃ خوف ادا کی گئی نماز کے بعد زہیر بن قین نے پھر دشمنوں کی فوج پر زور سے حملہ کر دیا لیکن کب تک؟۔ دشمن کی فوج میں سے کثیر بن عبداللہ الشعبی اور مہاجر بن اوس نے ان پر حملہ کر کے انھیں شہید کر دیا۔

نافع بن ہلال بجلی نے تیروں سے کوفی فوج کے بارہ آدمی مارے تھے اور سیکڑوں کو مجروح کیا تھا۔ وہ خود بھی بُری طرح زخمی ہو گئے تھے آخر دشمنوں نے اُنھیں گرفتار کر لیا شمر بن ذی الجوشن اُنھیں لے کر عمرو بن سعد کے پاس آیا۔ خون سے اُن کا سارا جسم تر بتر تھا۔ اُنھوں نے ابن سعد کے پاس پہنچ کر کہا:

"میں نے تمھارے بارہ آدمی مارے اور سیکڑوں کو زخمی کیا۔ اگر میرا ایک بھی بازو سلامت رہتا تو تم مجھے گرفتار نہ کر سکتے۔"

شمر نے انھیں قتل کرنے کے لیے تلوار اٹھائی نافع نے کہا:

"اگر تم مسلمان ہوتے تو یقیناً تم ہمارا خون اپنی گردن پر لے کر اللہ تعالیٰ کے سامنے حاضر ہونے سے ہچکچاتے۔ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ ہماری موت ایسے آدمیوں کے ہاتھوں سے واقع ہو رہی ہے جو اس کی مخلوق میں بدترین ہیں۔"

یہ سُن کر شمر کے غصے کی انتہا نہ رہی۔ اس نے تلوار سے نافع کو شہید کر دیا۔

اور حضرت حسینؓ کی فوج پر پھر زبردست حملہ شروع کر دیا۔ آپ کی فوج کا بڑا حصہ شہید ہو چکا تھا۔ صرف چند لوگ آپ کے اِرد گرد باقی رہ گئے تھے جب اِن جاں نثاروں نے دیکھا کہ دم بدم کوفی فوج کا غلبہ ہوتا جا رہا ہے تو یہ طے کر لیا، قبل اس کے کہ دشمن حضرت حسینؓ پر حملہ آور ہو وہ سب کے سب آپؓ کی حفاظت کے لیے ایک ایک کر کے قتل ہو جائیں۔ چنانچہ سب سے پہلے دو غفاری بھائی عبداللہ اور عبدالرحمان آگے آئے اور لڑتے لڑتے شہید ہو گئے۔

ان کے بعد حنظلہ بن سعد شبابی حضرت حسینؓ کے آگے کھڑے ہوئے اور دشمن کو پکار کر کہا "اے اہل کوفہ! میں ڈرتا ہوں کہ کہیں تمھارا حشر بھی عاد و ثمود کی طرح ہو اور تم برباد ہو جاؤ۔ میری قوم! حسینؓ کو قتل نہ کرو کیونکہ ایسا کر کے تم اپنے کو دردناک عذاب کی لپیٹ میں لے آؤ گے۔" یہ کہہ کر وہ آگے بڑھے اور لڑتے لڑتے شہید ہو گئے۔

حنظلہ کے بعد دو جابری نوعمر جوان سیف بن حارث بن سریع اور مالک بن عبد بن سریع آئے۔ یہ دونوں بھائی بھائی تھے۔ انہوں نے دعاؤں سے حضرت حسینؓ کو الوداع کہی اور آگے بڑھ کر شہید ہو گئے۔

ان کے بعد عابس بن ابی شبیب الشاکری اور شوذب آگے بڑھے۔ حضرت حسینؓ کو سلام کیا اور دشمن کی صف میں گھس کر بے جگری سے لڑنے لگے۔ شوذب تو شہید ہو گئے۔ عابس نے مبارزت طلب کی۔ عمرو بن سعد نے کہا "اسے پتھروں سے ہلاک کر دو۔" چنانچہ چاروں طرف سے اُن پر پتھر پڑنے لگے۔ جب انھوں نے یہ دیکھا تو اپنا خود اور زرہ اتاری اور بڑے خوش و خروش سے دشمنوں کی صفوں میں گھس گئے اور انھیں درہم برہم کر دیا۔ لیکن تھوڑی دیر کے بعد شامی نرغہ کر کے بڑھے اور اُنھیں شہید کر دیا۔

ضحاک بن عبداللہ المشرق نے دیکھا کہ اب حضرت حسینؓ کے گرد گنتی کے چند آدمی رہ گئی ہیں، باقی سب شہید ہو چکے ہیں تو وہ آپؓ کے پاس آیا اور کہنے لگا:

"اے ابن رسول اللہ ﷺ! آپ کو یاد ہوگا۔ میں نے آپؓ سے عرض کی تھی کہ

جب تک ممکن ہوگا میں آپؓ کی طرف سے لڑوں گا لیکن جب دیکھوں گا کہ مجھ سے لڑنے کی طاقت نہیں تو میں میدان جنگ سے چلا جاؤں گا۔"

حضرت حسینؓ نے فرمایا "بے شک تم نے یہی کہا تھا لیکن اب تم کس طرح بھاگ سکتے ہو؟ تمہارے لیے فرار کی سب راہیں بند ہیں۔ اگر بھاگ سکتے ہو تو ضرور بھاگ جاؤ میری طرف سے اجازت ہے۔"

جب شامی فوج کی طرف سے حضرت حسینؓ کی فوج پر تیروں کی بارش شروع ہوئی تھی اور گھوڑے زخمی ہو کر ناکارہ ہو گئے تھے تو ضحاک نے اپنا گھوڑا ایک خیمے میں چھپا دیا تھا اور پیدل چل کر دشمنوں کے دو آدمی قتل کر دیے تھے۔ جب حضرت حسینؓ نے اسے واپس جانے کی اجازت دے دی تو اُس نے خیمے سے گھوڑا نکالا اور میدان جنگ سے فرار ہو گیا۔ شامی فوج کے پندرہ سپاہیوں نے اُس کا پیچھا کیا لیکن وہ ہاتھ نہ آیا۔

اب حضرت حسینؓ کے ساتھیوں میں سے صرف دو شخص سوید بن عمرو بن ابی المطاع اور بشیر بن عمرو الحضرمی رہ گئے تھے۔ یہ بھی بے جگری سے آگے بڑھے اور لڑتے لڑتے شہید ہو گئے۔ سوید بن عمرو حضرت حسینؓ کے آخری ساتھی تھے۔ جنھوں نے جام شہادت نوش کیا۔ اب آپؓ کے ساتھ سوائے آپ کے گھر والوں کے جن کی تعداد بہت تھوڑی تھی اور کوئی شخص باقی نہ رہا۔

☆......☆......☆

شہادت عظمیٰ

جاں نثاراں حسینؓ ایک ایک کر کے سب شہید ہو چکے تھے۔اب صرف خاندان بنی ہاشم کے افراد باقی رہ گئے تھے۔وہ بھی دل و جان سے آپ پر فدا ہونے کے لیے تیار تھے۔سب سے پہلے حضرت حسینؓ کے بیٹے حضرت علی اکبرؓ میدان میں آئے۔وہ اُنیس برس کے خوبرو اور وجیہ نوجوان تھے۔انھوں نے دشمن کے لشکر پر حملہ کیا۔حملے کے وقت یہ رجز پڑھتے جاتے تھے:

انا علیؓ بن الحسینؓ بن علیؓ نحن ورب البیت اولیٰ بالنبی تاللہ لا یحکم فینا ابن الدعی

(میں علیؓ بن حسینؓ بن علیؓ ہوں۔خانہ کعبہ کے رب کی قسم! ہم نبی ﷺ کے قرب کے زیادہ مستحق ہیں۔واللہ نامعلوم باپ کا بیٹا ہم پر حکومت نہ کر سکے گا)

وہ بجلی کی طرح دشمنوں کی صفوں میں ادھر سے اُدھر پھر رہے تھے اور شجاعت کے جوہر دکھا رہے تھے۔آخر مرہ بن منقذ العبدی نے اُن پر نیزے کا وار کر کے انھیں زمین پر گرا دیا۔اُن کا گرنا تھا کہ چاروں طرف سے دشمن خونخوار بھیڑیوں کی طرح ٹوٹ پڑے۔اور تلواروں سے ان کر ٹکڑے ٹکڑے کر دیے۔یہ دل گداز منظر دیکھ کر اُن کی پھوپھی زینبؓ تڑپ کر خیمے سے باہر آئیں اور اُلے میرے بھتیجے کہہ کر علی اکبرؓ کی لاش کے ٹکڑوں پر گر پڑیں۔حضرت حسینؓ نے اُنھیں زبردستی خیمے میں واپس بھیجا اور بیٹے کی لاش کے ٹکڑوں کو اُس کے بھائیوں کی مدد سے اُٹھوا کر خیمے کے سامنے لٹا دیا۔

حضرت علی اکبرؓ کے بعد یکے بعد دیگرے عبداللہ بن مسلم بن عقیل بن عون بن

عبداللہ بن جعفر محمد بن عبداللہ بن جعفر، عبدالرحمان بن عقیل اور جعفر بن عقیل بن ابی طالب میدان کارزار میں نکلے اور شہید ہوئے۔

ان کے بعد حضرت قاسمؓ بن حسینؓ بن علیؓ ہاتھ میں تلوار لے کر میدان میں آئے وہ اس قدر حسین تھے کہ اُن کا چہرہ چاند کا ٹکڑا معلوم ہوتا تھا۔ عمرو بن سعد نفیل ازدی نے ان کی گردن پر تلوار ماری۔ حضرت قاسمؓ چلائے ''اے چچا الوداع'' اور زمین پر گر پڑے۔

ان کی آواز سنتے ہی حضرت حسینؓ باز کی طرح جھپٹے اور شیر کی طرح حملہ کر کے عمرو کا ہاتھ کاٹ ڈالا۔ اور عمرو کی چیخ پکار سن کر کوفی سوار اُسے بچانے کے لیے ٹوٹ پڑے لیکن گھبراہٹ میں بجائے بچانے کے اسے اپنے گھوڑوں کی ٹاپوں سے روند ڈالا اور وہ اُسی وقت ہلاک ہو گیا۔

جب غبار چھٹا تو لوگوں نے دیکھا کہ حضرت حسینؓ حضرت قاسمؓ کی لاش کے سرہانے کھڑے ہیں اور فرما رہے ہیں:

''اس قوم کے لیے ہلاکت ہو جس نے تجھے قتل کیا۔ قیامت کے دن یہ لوگ تیرے نانا کو کیا جواب دیں گے؟''

اس کے بعد فرمایا ''واللہ! تیرے چچا کے لیے یہ سخت حسرت کا مقام ہے کہ تو اُسے پکارے اور وہ تجھے جواب نہ دے سکے اور نہ تیری کوئی مدد کر سکے۔

افسوس آج تیرے چچا کے دشمن بہت ہو گئے اور مددگار کوئی بھی باقی نہ رہا۔'' یہ کہہ کر اُسے اٹھایا اور اپنے بیٹے حضرت علی اکبرؓ اور دیگر اہل بیتؓ کی لاشوں کے پاس لٹا دیا۔ اس کے بعد حضرت حسینؓ اپنے خیمے کے سامنے کھڑے ہو گئے۔ عین اس وقت آپؓ کے یہاں لڑکا پیدا ہوا جس کا نام عبداللہ رکھا گیا۔ اُسے آپؓ کے پاس لایا گیا اور آپؓ اس کے کان میں اذان دینے لگے۔ فوراً ہی بنی اسد کے ایک بدبخت نے ایسا تیر مارا جو بچے کے حلق میں پیوست ہو گیا اور اُس کی روح عالم کو پرواز کر گئی۔ حضرت حسینؓ نے اپنے چلو میں اُس کا خون بھرا اور اسے زمین پر گرا دیا۔ بعد ازاں اُسے بھی دوسرے شہیدوں کے پاس لا کر لٹا

دیا۔

اسی دوران میں عبداللہ بن عقبہ نے ابوبکرؓ بن حسینؓ بن علیؓ کو تیر مار کر شہید کر دیا۔
جب حضرت عباسؓ بن علیؓ نے دیکھا کہ خاندان کے تمام لوگ ایک ایک کر کے فدا ہو گئے ہیں تو اُنھوں نے اپنے سوتیلے بھائیوں عبداللہؓ بن علیؓ جعفرؓ بن علیؓ اور عثمانؓ بن علیؓ سے کہا "اب تمہارے قربان ہونے کا وقت آ گیا ہے۔ آگے بڑھو اور اللہ تعالیٰ کے راستے میں جانیں دے دو۔" چنانچہ سب سے پہلے عبداللہؓ بن علیؓ آگے بڑھے اور شدید لڑائی کے بعد جامِ شہادت نوش کیا۔ اُن کے بعد جعفرؓ بن علیؓ بڑھے۔ وہ بھی شہید ہوئے۔ ان کے بعد عثمانؓ بن علیؓ میدان میں نکلے اُن پر بنوابان کے ایک شخص نے حملہ کیا اور اُنھیں شہید کر دیا۔

اسی دوران میں اہل بیتؓ کے خیموں میں سے ایک ننھا بچہ نکلا اور خوف زدہ نظروں سے اِدھر اُدھر دیکھنے لگا۔ ہانی بن ثبیت حضرمی نے آگے بڑھ کر اُسے بھی شہید کر دیا۔

حضرت حسینؓ زخموں سے چور چور ہو گئے تھے اور آپ کو شدید پیاس لگی ہوئی تھی۔ آپ اپنے بھائی حضرت عباسؓ کو لے کر دریائے فرات کی طرف چلے۔ دشمن کے سواروں نے آپ کو روکنا چاہا مگر آپ لڑتے بھڑتے کنارے تک پہنچ ہی گئے اور برتن میں پانی لے کر پینا ہی چاہتے تھے کہ حصین بن نمیر نے تیر مارا جو آپ کے گلے میں سپوست ہو گیا۔ آپ نے تیر کھینچا اور اپنے ہاتھ منہ کے طرف اُٹھائے تو دونوں چلو خون سے بھر گئے۔ آپ نے خون کو آسمان کی طرف پھینکا اور فرمایا:

"اے اللہ! میں تجھی سے شکوہ کرتا ہوں۔ دیکھ، تیرے رسول ﷺ کے نواسے کے ساتھ کیا سلوک ہو رہا ہے۔"

یہ کہہ اسی تشنگی کی حالت میں آپ واپس چلے۔ دشمنوں نے نرغہ کر کے حضرت عباسؓ بن علیؓ کو آپ سے علیحدہ کر دیا۔ عباسؓ بن علیؓ تن تنہا ان سے لڑنے لگے مگر کب تک؟ آخر زخموں سے چُور ہو کر زمین پر گر پڑے اور اپنی جان اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دی۔

جب حضرت حسینؓ اپنے خیمے کے طرف لوٹ آئے تو شمر بن ذی الجوشن کئی

سواروں کو لے کر جن میں ابوالجنوب عبدالرحمان الجعفی ، قشعم بن عمرو بن یزید الجعفی ، صالح بن وہب الیزنی، سنان بن انسا النخعی اور خولی بن یزید الاصبحی تھے آپ کی جانب بڑھا اور انھیں آپ کے خلاف برانگیختہ کرنے لگا۔ آپ بھی آگے بڑھ کر تلوار کے جوہر دکھانے لگے جس کی تاب نہ لا کر وہ لوگ پیچھے ہٹ گئے لیکن تھوڑی دیر میں وہ پھر جمع ہو گئے اور آپ کا محاصرہ کر لیا۔ قبیلہ کندہ کے ایک شخص مالک نے تلوار سے آپ کے سر پر وار کیا۔ آپ ٹوپی پہنے ہوئے تھے۔

تلوار ٹوپی کو چیرتی ہوئے سر میں جا کر لگی۔ سر سے خون جاری ہو گیا اور ساری ٹوپی خون سے بھر گئی۔ آپ نے ٹوپی اتاری، سر پر پٹی باندھی اور دوسری ٹوپی اوڑھ کر اس پر عمامہ باندھ لیا۔

خیمے کے اندر سے نوعمر عبداللہ بن حسنؓ بن علیؓ نے جب آپ کو دشمنوں کے نرغے میں گھرا دیکھا تو وہ جوش سے بے قابو ہو گیا اور ایک لکڑی لے کر آپ کے پہلو میں جا کھڑا ہوا۔ اسی وقت ابن کعب نے حضرت حسینؓ پر تلوار سے ایک اور حملہ کیا۔ عبداللہ بن حسنؓ نے چلا کر کہا:

"اے خبیث! میرے چچا کو قتل کرے گا؟"

یہ سن کر ابن کعب نے بچے پر تلوار چلائی۔ بچے نے اپنے ہاتھ پر وار روکا جس سے اُس کا ہاتھ کٹ گیا۔ بچہ تکلیف سے بے قرار ہو کر چیخنے لگا۔ حضرت حسینؓ نے اُسے گود میں اُٹھا لیا اور فرمایا:

"اے میرے بھتیجے! اس مصیبت پر جو تجھ پر پڑی، صبر کر اللہ تعالیٰ تجھے بھی تیرے پاک و مطہر آبا و اجداد تک پہنچا دے گا۔"

اس کے بعد آپ نے اپنی نظر آسمان کی طرف اُٹھائی اور فرمایا:

"اے اللہ! ان لوگوں سے بارش کے قطروں کو روک لے اور زمین کی برکتوں کو ان پر حرام کر دے۔ اے اللہ! اگر تو انھیں کچھ دنوں کی اور مہلت دے تو ان میں پھوٹ

ڈال دے۔ اور انھیں ایک دوسرے سے الگ الگ کر دے کیونکہ ان لوگوں نے ہمیں بلایا اور ہماری مدد کا وعدہ کیا لیکن جب ہم آئے تو ہمارے خلاف میدان جنگ میں کود پڑے اور ہمیں قتل کر دیا۔"

آپ کا سر اور سارا بدن شدید زخمی ہو چکا تھا لیکن اس حالت میں بھی جب آپ تلوار چلاتے تھے تو آپ کے دائیں بائیں دشمنوں کی بھیڑ اس طرح چھٹ جاتی تھی جس طرح پانی پر سے کائی۔ اسی دوران میں آپ کی بہن حضرت زینب اپنے خیمے سے یہ کہتی ہوئی باہر نکلیں۔ "کاش آسمان زمین پر ٹوٹ پڑے۔" اسی موقع پر عمرو بن سعد حضرت حسینؓ کے قریب پہنچا۔ حضرت زینب نے چلا کر کہا "اے عمرو! کیا ابو عبداللہ (حضرت حسینؓ) تیری آنکھوں کے سامنے قتل ہو جائیں گے؟ یہ سُن کر عمرو بن سعد کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اور ٹپ ٹپ اس کے رخساروں اور ڈاڑھی پر گرنے لگے جس پر اُس نے منہ پھیر لیا۔

حضرت حسینؓ انتہائی بہادری سے لڑ رہے تھے اور فرما رہے تھے۔

"کیا تم میرے قتل پر مجتمع ہو گئے؟ واللہ! میرے بعد اپنے بندوں میں سے کسی بندے کے قتل پر اللہ تعالیٰ اتنا ناراض نہ ہو گا جتنا میرے قتل پر ہو گا۔ مجھے اللہ تعالیٰ ضرور عزت بخشے گا لیکن تم سے ایسے ایسے طریقوں سے انتقام لے گا کہ ان کا تصور بھی نہ کر سکو گے۔"

اب بہت دیر ہو چکی تھی۔ دشمن اگر چاہتا تو خاصی دیر پہلے آپؓ کو شہید کر چکا ہوتا لیکن ہر شخص اس گناہ کا بار دوسرے پر ڈالنا چاہتا تھا اور خود بچنا چاہتا تھا۔

جب شمر بن ذی الجوشن نے یہ دیکھا تو پیدل فوج کے پیچھے سوار لا کر کھڑے کر دیے اور تیر اندازوں کو حکم دیا کہ وہ تیر چلائیں۔ ساتھ ہی چلا کر کہا:

تمہارا بُرا ہو تم کس کا انتظار کر رہے ہو؟ حسینؓ کو قتل کیوں نہیں کر چکتے؟"

چنانچہ چاروں طرف سے آپؓ پر حملہ کر دیا گیا۔ زرعہ بن شریک تمیمی نے آپؓ کے بائیں بازو پر تلوار ماری اور اسے الگ کر دیا۔ پھر آپ کے شانے پر تلوار ماری۔ آپ

لڑکھڑائے۔ لوگ پیچھے ہٹ گئے لیکن سنان بن انس نخعی نے آگے بڑھ کر آپ کے نیزہ مارا اور آپ زمین پر گر پڑے۔ خولی بن یزید الاصبحی آپ کا سر کاٹنے کے لیے آگے بڑھا لیکن ہمت نہ پڑی۔ یہ دیکھ کر سنان نے کہا:

''اللہ تیرے اعضاء کو شل کر ڈالے!'' یہ کہہ خود گھوڑے سے اُتر کر آپ کو ذبح کیا۔

''مفید'' میں لکھا ہے کہ آپ کا سر خود شمر بن ذی الجوشن نے کاٹ کر خولی بن یزید کے حوالے کیا تھا۔

شہادت کے بعد دیکھا گیا تو معلوم ہوا کہ آپ کے جسم پر تیروں کے زخموں کے تینتیس اور تلوار کے چونتیس زخم تھے۔

آپ کو شہید کرنے کے بعد کوفیوں نے آپ کے کپڑے تک اتار لیے۔ حضرت حسینؓ کے ساتھیوں میں سے ایک شخص سوید بن ابی المطاع ابھی تک زندہ تھے۔ اور مقتولوں کے درمیان پڑے دم توڑ رہے تھے۔ اُنھوں نے لوگوں کو کہتے ہوئے سُنا کہ حسینؓ قتل کر دیے گئے۔ وہ یہ سُن کر اسی جانکنی کی حالت میں اُٹھے اور قریب پڑی ہوئی ایک چھری لے کر دشمنوں کی طرف بڑھے لیکن تلوار کی ایک ہی ضرب سے اُن کا کام تمام کر دیا گیا۔ قافلہ حسینؓ میں وہ سب سے آخری شہید تھے۔

اب کوفی خیموں کی طرف بڑھے اور اہل بیتؑ کا سارا سامان لوٹ لیا۔ اس کے بعد وہ حضرت زین العابدین کی طرف بڑھے جو بیمار پڑے تھے۔ شمر نے انھیں بھی قتل کرنا چاہا لیکن حمید بن مسلم نے کہا:

''سبحان اللہ! کیا بچوں کو بھی قتل کرو گے؟''

شمر کے باقی ساتھیوں نے بھی کہا کہ ہم اس بیمار کو قتل نہ کریں گے۔ اسی اثناء میں عمرو بن سعد بھی وہاں آ گیا۔ اُس نے کہا ''خبردار کوئی شخص زخمیوں میں نہ جائے، اس بیمار کو کوئی ہاتھ نہ لگائے اور جس نے جو کچھ لوٹا ہے سب واپس کر دے۔''

اُس نے خیموں پر چند سپاہی متعین کر دیے تا کہ وہ عورتوں اور بچوں کی حفاظت کریں۔ یہ انتظام کرنے کے بعد وہ واپس میدان میں آ گیا اور پکار کر کہا کہ حسینؓ کا جسم روندنے کے لیے کون کون تیار ہے؟ اس پر دس آدمیوں نے اپنے نام پیش کیے اور گھوڑے دوڑا کر جسم اطہر کو روند ڈالا۔

دن کا آخری حصّہ تھا۔ آفتاب زیادہ دیر تک یہ ہولناک منظر نہ دیکھ سکا اور خون روتا ہوا غروب ہو گیا۔

حضرت حسینؓ کی شہادت کا واقعہ یوم عاشورہ یعنی ۱۰ محرم ۶۱ھ مطابق ۱۰ اکتوبر ۶۸۰ء کو بعد نماز ظہر پیش آیا۔ حضرت حسینؓ کی عمر اس وقت پچپن برس کی تھی۔ آپ کے ساتھ بہتر آدمی شہید ہوئے۔ ان میں اٹھارہ آپ کے رشتہ دار اور خاندان بنو ہاشم کے فرد تھے جن کے نام مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ عباسؓ بن علیؓ ۲۔ جعفرؓ بن علیؓ ۳۔ عبداللہؓ بن علیؓ
۴۔ عثمانؓ بن علیؓ ۵۔ محمدؓ بن علیؓ ۶۔ ابوبکرؓ بن علیؓ
۷۔ علیؓ بن حسینؓ بن علیؓ ۸۔ عبداللہ بن حسینؓ ۹۔ ابوبکرؓ بن حسنؓ
۱۰۔ عبداللہؓ بن حسنؓ ۱۱۔ قاسمؓ بن حسینؓ ۱۲۔ عون بن عبداللہ بن جعفرؓ
۱۳۔ محمد عبداللہ بن جعفر ۱۴۔ جعفر بن عقیل
۱۵۔ عبدالرحمان بن عقیل ۱۶۔ عبداللہ بن عقیل
۱۷۔ عبداللہ بن مسلم بن عقیل ۱۸۔ محمد بن ابوسعید بن عقیل

عمرو بن سعد کی فوج کے اٹھاسی آدمی مارے گئے۔ زخمیوں کی تعداد ان کے علاوہ تھی۔

عمرو نے تمام شہداء کے سر کاٹنے کا حکم دیا اور شمر ذی الجوشن، قیس بن اشعن عمرو بن الحجاج اور عروہ بن قیس کے ہاتھ یہ سر، حضرت حسینؓ کے سر کے ساتھ، ابن زید کے پاس بھجوا دیے۔ یہ لوگ ان سروں کو نیزوں پر لٹکا کر ابن زیاد کے پاس لے گئے۔

شہادت کے دوسرے روز بعد عمرو بن سعد، حضرت حسینؓ کی بیٹیوں، بہنوں، شیر خوار

بچوں اور علیؑ بن حسینؑ زین العابدین کو ہمراہ لے کر کربلا سے کوفہ روانہ ہوا۔ جب یہ تباہ شدہ قافلہ اُس جگہ سے گزرنے لگا جہاں حضرت حسینؑ اور دیگر شہداء کی لاشیں بے گور و کفن چٹیل میدان میں پڑی تھیں تو قافلے میں ایک ماتم بپا ہو گیا۔ آپ کی بہن زینب رو رو کر کہتی تھیں:

''اے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، جن پر ملائک آسمان سے درود بھیجتے ہیں۔ دیکھیے، یہ حسینؑ خاک و خون میں غلطاں، ٹکڑے ٹکڑے ہو کر چٹیل میدان میں پڑا ہے۔ آپ کی بیٹیاں قیدی ہیں۔ آپ کی اولاد مقتول ہے اور ان پر خاک اڑ رہی ہے۔''

یہ دردناک مرثیہ سُن کر دوست دشمن کوئی نہ تھا جو رونے نہ لگا ہو۔ اس وقت ان لوگوں کو احساس ہوا کہ وہ کس قدر شدید گناہ کے مرتکب ہوئے ہیں۔ لیکن اب کیا ہو سکتا تھا؟

جب عمرو بن سعد میدان کربلا سے کوچ کر گیا تو اہل غاضریہ نے جو قریب ہی رہتے تھے آ کر نماز جنازہ ادا کی اور حضرت حسینؑ اور دیگر شہداء کی لاشیں دفن کیں۔

''مفید'' کہتا ہے کہ حضرت حسینؑ کا مزار اسی جگہ ہے۔ جہاں دیگر شہدا کو دفن کیا گیا تھا۔ علیؑ بن حسینؑ کو آپ کے قدموں میں دفن کیا گیا۔ آپ کے اہل بیت اور دیگر شہداء کے لیے ایک ہی گڑھا کھودا گیا اور سب کو ایک ساتھ ہی دفن کر دیا گیا۔ عباسؑ بن علیؑ کو جو حضرت حسینؑ کے ساتھ دریائے فرات تک گئے تھے اور دشمنوں نے نرغہ کر کے اُنھیں وہیں شہید کر دیا تھا، اسی جگہ دفن کیا گیا جہاں وہ شہید ہوئے تھے۔

حضرت حسینؑ کے سر کے بارے میں مورخین میں اختلاف ہے کہ وہ کہاں دفن کیا گیا۔ بعض کہتے ہیں کہ دمشق میں دفن کیا گیا، بعض کہتے ہیں اُسے مدینہ منورہ بھیج دیا گیا جہاں اُسے دفن کیا گیا، بعض دیگر مقامات کا نام لیتے ہیں۔

☆......☆......☆

خاندان حسینؓ ابن زیاد اور یزید

ابن زیاد قصرالا مارۃ میں بیٹھا تھا۔ لوگوں کو محل میں آنے کے عام اجازت تھی۔ حضرت حسینؓ کا سر ایک طشت میں اُس کے سامنے رکھا تھا۔ وہ اسے دیکھ دیکھ کر مسکرا رہا تھا اور ایک چھڑی بار بار آپ کے لبوں پر مارتا تھا۔ اُس کی ایک جانب رسول اللہ ﷺ کے صحابی حضرت زیدؓ بن ارقم بیٹھے تھے جو بہت بوڑھے ہو چکے تھے جب اُنھوں نے دیکھا کہ ابن زیاد اس حرکت سے باز نہیں آتا تو فرمایا:

"ان لبوں سے چھڑی ہٹالو۔ اللہ تعالیٰ کی قسم جس کے سوا اور کوئی معبود نہیں، میں نے اپنی ان آنکھوں سے دیکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ ان ہونٹوں پر اپنے ہونٹ رکھتے تھے اور چومتے تھے۔"

یہ کہہ کر وہ رونے لگے۔

ابن زیاد نے کہا "اللہ تیری دونوں آنکھوں کو رُلائے۔ واللہ! اگر تو بوڑھا ہو کر سیٹھا نہ گیا ہوتا اور تیری عقل ماری نہ گئی ہوتی تو میں تیری گردن اُڑا دیتا۔"

زید بن ارقم کہتے ہوئے اس مجلس سے اُٹھ کھڑے ہوئے:

"اے لوگو! آج کے بعد تم غلام بن گئے کیونکہ تم نے حضرت فاطمہؓ کے لخت جگر کو قتل کیا اور ابن زیاد کو اپنا حاکم بنایا جو تمہارے نیک لوگوں کو قتل کرتا اور شریروں کو نوازتا ہے۔"

پھر اہل بیت کے دوسرے افراد اور حضرت حسینؓ کی ہمشیرہ حضرت زینبؓ، ابن زیاد کے پاس لائی گئیں۔ ان کی حالت نہایت خستہ ہو رہی تھی۔ اور وہ پھٹے پرانے کپڑے

پہنے ہوئے تھیں۔ حضرت زینبؓ آ کر محل کے ایک گوشے میں بیٹھ گئیں۔ اُن کے اردگرد ان کی لونڈیاں بیٹھ گئیں۔ ابن زیاد نے پوچھا یہ کون ہے جو محل کے گوشے میں بیٹھی ہے اور چاروں طرف سے عورتیں اُسے گھیرے میں لیے ہوئے ہیں؟" ابن زیاد کی اس بات کا کسی نے کوئی جواب نہ دیا۔ اس نے دوبارہ پوچھا۔ پھر بھی کوئی جواب نہ ملا۔ تیسری بار پوچھنے پر ایک لونڈی نے کہا:

"یہ رسول اللہ ﷺ کی نواسی اور حضرت فاطمہؓ کی بیٹی حضرت زینبؓ ہیں۔" اس پر ابن زیاد نے اُنھیں مخاطب کر کے کہا:

"اللہ تعالیٰ کا شکر ہے جس نے تمھیں ذلیل کیا اور جھٹلایا۔"

حضرت زینبؓ نے جواب دیا "اللہ تعالیٰ کا شکر ہے جس نے ہمیں اپنے نبی ﷺ کے ذریعے سے عزت دی اور ہمیں گندگی سے پاک کیا ہم نہیں بلکہ فاسق ذلیل ہوتے ہیں اور فاجر جھٹلائے جاتے ہیں۔"

ابن زیاد نے کہا "تو نے دیکھا اللہ نے تیرے گھر والوں سے کیا سلوک کیا؟" حضرت زینبؓ نے جواب دیا "اُن کی قسمت میں قتل ہونا لکھا تھا اس لیے وہ اپنے مقتل میں پہنچ گئے۔ عنقریب اللہ تعالیٰ تجھے اور اُنھیں ایک جگہ جمع کر دے گا۔ اُس وقت اللہ تعالیٰ کے سامنے ایک دوسرے سے سوال و جواب کرو گے۔"

یہ سُن کر ابن زیاد کو سخت طیش آیا، اُس نے کہا "اللہ تعالیٰ نے سرکش اور نافرمان باغیوں کی موت سے میرا دل ٹھنڈا کر دیا۔"

حضرت زینبؓ رونے لگی اور کہا "میری عمر کی قسم! تم نے ہمارے لوگوں کو قتل ڈالا، ہماری شاخوں کو کاٹا اور ہمارے خاندان کو ملیامیٹ کر دیا۔ اگر اس سے تیرا دل ٹھنڈا ہو سکتا ہے تو کر لے۔"

ابن زیاد نے یہ سُن کر کہا "یہ شاعری ہے۔ تیرا باپ بھی شاعر تھا۔" اس کے بعد ابن زیاد کی نظر زین العابدینؓ پر پڑی۔ اس نے پوچھا "تم کون ہو؟"

اُنھوں نے جواب دیا "علیؓ بن حسینؓ۔"

ابن زیاد نے پوچھا "کیا اللہ نے علیؓ بن حسینؓ کو قتل نہیں کیا؟"

حضرت زین العابدینؓ نے جواب دیا "میرے ایک اور بھائی کا نام بھی علیؓ تھا۔ اسے لوگوں نے قتل کر دیا۔"

ابن زیاد نے کہا "اسے لوگوں نے قتل نہیں بلکہ اللہ نے قتل کیا ہے۔"

حضرت زین العابدینؓ نے جواب میں فرمایا "اللہ تعالیٰ ہی لوگوں کو، جب اُن کی وفات کا وقت قریب آتا ہے موت دیتا ہے۔ کسی نفس کی یہ مجال نہیں کہ وہ بغیر اللہ تعالیٰ کی اجازت کے مر جائے۔"

ابن زیاد غضبناک ہو کر بولا "اچھا تو تم میں میری بات لوٹانے کی جرات پیدا ہو گئی!"

یہ کہہ اپنے آدمیوں کو حکم دیا کہ "اسے لے جاؤ اور اس کی گردن اڑا دو۔"

حضرت زینبؓ حضرت زین العابدینؓ سے چمٹ گئیں اور کہا "اے ابن زیاد! میں تجھے اللہ تعالیٰ کا واسطہ دے کر کہتی ہوں کہ اگر تُو اسے قتل کرنا چاہتا ہے تو اس کے ساتھ مجھے بھی قتل کر ڈال۔"

ابن زیاد کو زینبؓ کی بے قراری دیکھ کر رحم آ گیا اور اُس نے حکم دیا کہ "حضرت زین العابدینؓ کو چھوڑ دو یہ بھی اپنے خاندان کی عورتوں کے ساتھ جائے۔"

اس کے بعد ابن زیاد مجلس سے اُٹھا اور مسجد میں آیا۔ اذان کہی گئی۔

وہ منبر پر چڑھا اور خطبہ دینا شروع کیا:

"اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس نے حق کو ظاہر کیا اور امیر المومنین یزید بن معاویہ اور اُن کے لشکر کو فتح عطا فرمائی۔ جھوٹوں کے جھوٹے حسینؓ بن علیؓ اور اس کے گروہ کو قتل کر ڈالا۔"

یہ سُن کر عبداللہ بن حنیف ازدی، جو اندھے تھے اور اپنی ایک آنکھ جنگ جمل

کے موقع پر اور دوسری جنگ صفین کے موقع پر حضرت علیؓ کی رفاقت میں کھو چکے تھے۔ اور جو دن بھر مسجد میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کیا کرتے تھے، کھڑے ہوئے اور کہا:

''اے ابن زیاد تو نبیوں کے بیٹوں کو قتل کرتا ہے اور منبر پر صدیقوں کی جگہ کھڑا ہوتا ہے۔ جھوٹا تو ہے اور تیرا باپ اور وہ جس نے تجھے والی بنایا اور اُس کا باپ۔''

ابن زیاد نے کہا ''اسے میرے پاس لاؤ۔'' چنانچہ ابن زیاد کے آدمیوں نے ابن حنیف کو پکڑ لیا۔ اس پر اُنھوں نے قبیلہ ازد کا مخصوص نعرہ لگایا۔ یہ نعرہ سُن کر ایک ازدی نے اُنھیں ابن زیاد کے ہاتھوں سے بزور چھین لیا اور اُنھیں ان کے گھر پہنچا دیا۔ رات کے وقت ابن زیاد نے اپنے آدمیوں کو اُنھیں گرفتار کرنے کے لیے بھیجا۔ انھیں ابن زیاد کے سامنے حاضر کیا گیا اور اُس نے انھیں قتل کرا دیا۔

جب صبح ہوئی تو ابن زیاد نے حکم دیا کہ حسینؓ اور دیگر مقتولین کے سر نیزوں پر چڑھا کر یزید کی خدمت میں دمشق بھیج دیے جائیں۔ اُن کے ساتھ ہی تمام عورتوں اور بچوں کو بھی یزید کے پاس روانہ کر دیا۔

جب یہ قافلہ یزید کے پاس پہنچا تو حضرت حسینؓ کی صاحبزادیوں، حضرت فاطمہؓ اور سکینہؓ کی آنکھوں سے آنسو رواں تھے۔ اُن کے سامنے اُن کے والد کا سر رکھا ہوا تھا۔ یزید نے یہ بات محسوس کر لی اور سر کو وہاں سے ہٹا دیا۔ پھر ان سے مخاطب ہو کر کہا ''یہ جو کچھ میرے علم کے بغیر ہوا۔ اگر میں اس موقع پر موجود ہوتا تو ضرور حضرت حسینؓ کو معاف کر دیتا اور درگزر سے کام لیتا۔

حضرت علیؓ بن حسینؓ زین العابدینؒ بیڑیوں اور زنجیروں میں جکڑے ہوئے تھے۔ یزید نے بیڑیاں اور زنجیریں الگ کرنے کا حکم دیا اور اُن سے مخاطب ہو کر کہا: ''اے علیؓ! تمھارے باپ نے مجھ سے قطع رحمی کی۔ میرا حق بھلایا۔ حکومت میں مجھ سے جھگڑا کیا۔ اس پر اللہ نے جو کچھ ان سے کیا وہ تم نے دیکھ لیا۔''

حضرت زین العابدینؒ نے جواب میں یہ آیت پڑھی:

ما اصاب من مصیبۃ فی الارض ولا فی انفسکم الا فی کتاب من قبل ان نبراھا ان ذلك علی اللہ یسیراً الکیلاتا سوا علیٰ مافاتکم ول تضراحوابمارتا کم واللہ لایحب کل مختار فخور۔

(جتنی مصیبتیں روئے زمین پرتم نازل ہوتی ہیں وہ سب ہم نے ان کے پیدا کرنے سے پہلے کتاب میں لکھ رکھی ہیں اور یہ اللہ کے لیے بہت آسان ہے۔ یہ اس لیے کہ تم نقصان پر افسوس نہ کرو اور جو کچھ ہم نے تمہیں دیا ہے اس پر مغرور نہ ہو۔ اللہ ہر مغرور اور فخر کرنے والے کو ناپسند کرتا ہے)

یزید نے اس کا جواب دیا:

مااصابکم من مصیبۃ فبما کسبت ایدیکم و یعفوعن کثیر

(تمہیں جو مصیبت پہنچتی ہے وہ تمہارے اعمال کا نتیجہ ہے اور اللہ بہت سی خطاؤں کو تو معاف بھی کر دیتا ہے)

اس کے بعد یزید نے حکم دیا کہ اس کے محل کے متصل ایک گھر ان لوگوں کے لیے خالی کر دیا جائے اور انھیں نہایت عزت سے اس میں رکھا جائے۔

کچھ دن گزرنے کے بعد یزید نے اُنھیں مدینہ منورہ روانہ کرنا چاہا۔ نعمان بن بشیر کو بلا کر حکم دیا کہ ان لوگوں کی ضروریات کا سارا سامان مہیا کیا جائے اور ان کی حفاظت کے لیے سواروں کا ایک دستہ ساتھ کیا جائے۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا اور تمام اہل بیتؓ کو عزت واحترام سے مدینہ منورہ پہنچا دیا گیا۔

اہل بیتؓ پر یزید کے اس سلوک کا بہت اثر ہوا۔ حضرت حسینؓ کی صاحبزادی حضرت سکینہؓ کہا کرتی تھیں "میں نے کبھی کوئی ناشکرا انسان یزید سے اچھا سلوک کرنے والا نہیں دیکھا۔"

یزید کو حضرت حسینؓ کے دردناک واقعے کا ہمیشہ افسوس رہا۔ وہ اکثر کہا کرتا تھا "مجھے کیا ہوا؟ کاش میں تھوڑی سی تکلیف اُٹھا لیتا اور رسول اللہ ﷺ کے حق اور رشتہ داری کی

رعایت کرنے کے لیے حضرت حسینؓ کو اپنے گھر میں اپنے ساتھ رکھتا۔ان کے مطالبے پر غور کرتا، خواہ اس سے میری قوت میں کمی ہی کیوں نہ ہو جاتی۔اللہ تعالیٰ کی لعنت ابن زیاد پر جس نے حضرت حسینؓ کو لڑائی پر مجبور کیا۔حضرت حسینؓ نے پیش کش کی تھی کہ وہ مجھ سے اپنا معاملہ طے کرلیں گے یا اسلامی سلطنت کی سرحد پر جا کر جہاد میں مصروف ہو جائیں گے مگر ابن زیاد نے ان کی کوئی بات نہ مانی اور انھیں قتل کر دیا۔ان کے قتل نے تمام مسلمانوں میں مجھے مبغوض بنا دیا اور دلوں میں میری طرف سے بغض اور عداوت کے بیج بوئے گئے۔اللہ تعالیٰ کی لعنت ابن زیاد پر، اللہ تعالیٰ کا غضب ابن زیاد پر!"

اس ضمن میں ایک واقعے کا ذکر کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے جس سے حضرت حسینؓ کی بہن حضرت زینبؓ بنت فاطمہؓ کی جرات وہمت اور دلیری کا پتا چلتا ہے۔جب حضرت حسینؓ کے اہل خاندان یزید کے سامنے پیش کیے گئے تو ایک شامی نوجوان نے یزید سے درخواست کی کہ فاطمہؓ بنت علیؓ اور ایک دوسری روایت کی رو سے فاطمہؓ بنت حسینؓ کو اس کے حوالے کر دیا جائے۔فاطمہؓ نے یہ سن کر زینب کی چادر پکڑلی۔زینبؓ کا منہ غیرت کے مارے سرخ ہو گیا اور انھوں نے پکار کر کہا:

"تو کمینہ ہے نہ تجھے یہ اختیار حاصل ہے اور نہ یزید کو یزید کو غصہ آ گیا اور اس نے کہا:

"تم جھوٹ بولتی ہو۔مجھے یہ حق حاصل ہے کہ اگر چاہوں تو ابھی ایسا کر سکتا ہوں۔"حضرت زینبؓ نے کہا:

"ہرگز نہیں تمھیں اللہ تعالیٰ نے ہرگز یہ حق نہیں دیا۔البتہ اگر تم ہماری ملت سے نکل جاؤ اور اسلام کے سوا کوئی اور دین اختیار کرلو تو بات دوسری ہے۔"

حضرت زینبؓ کی یہ جرات و دلیری دیکھ کر یزید کو اور زیادہ طیش آیا اور اس نے کہا:

"میرے سامنے تم ایسی باتیں کہتی ہو؟ دین سے تمھارا باپ اور بھائی نکل چکے ہے۔"

حضرت زینبؓ نے جواب دیا ''تم نے تمہارے باپ نے اور تمہارے دادا نے اللہ تعالیٰ کے دین سے میرے باپ کے دین سے میرے بھائی کے دین سے اور میرے نانا کے دین سے ہدایت پائی ہے۔''

یزید نے کہا ''اے اللہ کی دشمن! تو جھوٹی ہے۔''

اس پر حضرت زینبؓ نے فرمایا ''تو زبردستی حاکم بن بیٹھا ہے' ظلم کرتا ہے' گالیاں دیتا ہے اور اپنی قوت سے مخلوق کو دباتا ہے۔''

یہ سن کر یزید شرمندہ ہو گیا اور کچھ نہ بولا۔ شامی نوجوان دوبارہ کھڑا ہوا اور کہا ''امیر المومنین! یہ لڑکی مجھے عنایت کیجئے'' یزید نے اسے ڈانٹا اور کہا:

''اللہ تجھے موت دے اور تجھے کبھی بیوی نصیب نہ ہو!''

جب مدینہ منورہ میں حضرت حسینؓ اور آپ کے جاں نثار ساتھیوں کی شہادت کی خبر پہنچی تو وہاں ایک کہرام برپا ہو گیا۔ بنو ہاشم کی عورتیں چلاتی ہوئی باہر نکل آئیں۔

عقیل بن ابی طالب کی صاحبزادی کی زبان پہ یہ اشعار جاری تھے:

مـــاذا تــقــو لــون ان قــــال الـنـبـی لـکـم

مـــاذا فــعــلــتــم وانــتــم آخــر الامــــم

بــعــتــرتــی وبــــأهــلــی بـعـد مـفـتـقـدی

مـنـهــــر اســــاریٰ وقـتـلـیٰ ضــرجــو ابــلـم

مـــاکـــان هـــذا جـــزائی اذ نــصــحــت لـکـم

ان تــخــلــفــونــی بـسـوء فـی ذوی رحـمـی

(تم اس وقت کیا جواب دو گے جب رسول اللہ ﷺ تم سے پوچھیں گے کہ اے لوگو جو سب سے آخری امت ہو تم نے میری وفات کے بعد میری اولاد اور میرے اہل بیت سے کیا سلوک کیا کہ ان میں سے بعض قیدی ہیں اور بعض خون میں نہائے ہوئے مردہ پڑے ہیں۔ میں نے تم سے جو سلوک اور خیر خواہی کی اس کا تم نے یہی بدلہ دیا کہ میرے رشتہ

داروں کے ساتھ بدسلوکی سے پیش آئے اور انہیں اذیتیں پہنچائیں۔)

جب عامل مدینہ ابن سعید نے خواتین کی آوازیں سنیں تو وہ ہنسا اور منبر پر چڑھ کر لوگوں کو حضرت حسینؓ کی شہادت کی خبر دی۔

جب عبداللہ بن جعفر کو اپنے دونوں بیٹوں عونؓ اور محمدؓ کی شہادت کی خبر ملی تو ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ ان کے رشتہ دار اور دوسرے لوگ ان کے پاس تعزیت کے لئے آنے لگے۔ ایک شخص نے کہا:

''حسینؓ کی خیر خواہی کا یہ بدلا ملا۔''

یہ سن کر ابن جعفر نے اسے جوتا کھینچ مارا اور کہا ''کیا حضرت حسینؓ کے متعلق تو ایسی بات کہتا ہے؟ واللہ! اگر میں اس موقع پر موجود ہوتا تو اس وقت تک حضرت حسینؓ سے جدا نہ ہوتا جب تک ان کے ساتھ قتل نہ ہو جاتا۔ میرے دونوں بیٹوں کے مارے جانے سے جو مصیبت مجھ پر پڑی ہے اس خیال سے اس میں کمی ہو جاتی ہے کہ وہ دونوں میرے بھائی اور میرے چچا کے بیٹے کی حفاظت کرتے ہوئے شہید ہوئے۔ اگر چہ میں اپنے ہاتھ سے حضرت حسینؓ کی مدد نہ کر سکا لیکن میرے بیٹوں نے وفاداری کا حق ادا کر دیا۔''

حضرت حسینؓ کے قاتلین کے متعلق تاریخ سے پتا چلتا ہے کہ ان میں سے کوئی بھی عذاب الٰہی کی گرفت سے بچ نہ سکا۔ بعض قتل کرائے گئے اور بعض کو ایسے دردناک مصائب کا سامنا کرنا پڑا کہ موت ان مصائب کے مقابلے میں کہیں زیادہ آسان تھی۔

ابن الجوزی زہری سے روایت کرتے ہیں کہ قاتلین حضرت حسینؓ میں سے کوئی بھی شخص دنیا میں سزا سے نہ بچا۔ بعض کو قتل کی سزا ملی، بعض اندھے ہو گئے اور جو لوگ بر سر اقتدار تھے بہت تھوڑی مدت میں ان کا اقتدار جاتا رہا۔

ابن کثیر لکھتے ہیں ''حضرت حسینؓ کی شہادت کے بعد جو فتنے برپا ہوئے اور جن کا ذکر تاریخوں میں آتا ہے ان میں اکثر بالکل صحیح ہیں۔ آپؓ کے قاتلوں میں سے کوئی شخص ایسا نہ بچا جو کسی نہ کسی عذاب میں مبتلا نہ ہوا ہو بعض لوگ دردناک امراض میں مبتلا ہو گئے

اوراکثرلوگ مجنون اور مخبوط الحواس ہو گئے۔"

عبدالملک بن مروان کے زمانے میں جب مختار بن ابی عبید الثقفی کوفہ کا حاکم مقرر ہوا تو اس نے چن چن کر ایسے لوگوں کو قتل کرنا شروع کیا جنہوں نے حضرت حسینؓ کی شہادت میں حصہ لیا تھا اور اس فوج میں شامل تھے جو آپ سے لڑنے کے لئے بھیجی گئی تھی۔ مورخین نے لکھا ہے کہ اس نے ایک دن میں دوسو چالیس قاتلین حسینؓ کو قتل کیا۔ عمر بن الحجاج زبیدی بھی آپؓ کے شہید کرنے والوں میں تھا۔ وہ کوفہ سے تو بھاگ گیا لیکن مختار کے آدمیوں سے بچ نہ سکا اور قتل کر دیا گیا۔

شمر بن ذی الجوشن بھی بھاگ گیا تھا۔ اسے بھی مختار کے لوگوں نے پکڑ کر قتل کر ڈالا اور اس کی لاش کو کتوں سے پھڑوا دیا۔

قاتلین حضرت حسینؓ مختار کے پاس لائے جاتے اور وہ انہیں انتہائی اذیت سے قتل کرنے کا حکم دیتا۔ بعض کو آگ میں جلا دیتا بعض کے ہاتھ پاؤں کٹوا دیتا اور وہ سسک سسک کر مر جاتے بعض کو تیروں سے مروا ڈالتا۔ خولی بن یزید جس نے حضرت حسینؓ کا سر کاٹنے کا ارادہ کیا تھا۔ مختار کے پاس لایا گیا۔ مختار نے اسے قتل کرنے کا حکم دیا۔ اس کے بعد اس کی لاش آگ میں جلا دی گئی۔

ابن زیاد کے لشکر کے قائد عمرو بن سعد کا بھی یہی حشر ہوا اور اسے بھی اس کے بیٹے کے ساتھ قتل کر دیا گیا۔

قاتلین حضرت حسینؓ میں سے جو لوگ جان بچا کر بھاگ گئے تھے بعد میں مختار نے ان کے گھروں کو منہدم کرنے اور انہیں آگ لگا دینے کا حکم دیا۔

کوفہ میں قاتلین حسینؓ کا کام تمام کرنے کے بعد مختار نے ابراہیم بن اشتر کو عبیداللہ بن زیاد سے لڑنے کے لئے بھیجا۔ ابن اشتر کے ساتھ بہترین آزمودہ کار افسر تھے۔ ابن زیاد بھی شام سے ایک عظیم الشان لشکر لے کر اس کے مقابلے کے لئے چلا نہر خاذر پر دونوں لشکروں میں زبردست مقابلہ ہوا جس میں ابن زیاد کو شکست فاش ہوئی اور وہ

میدان جنگ میں ابن اشتر کے ہاتھ سے مارا گیا۔ ابن زیاد کے دوسرے شامی سردار حصین بن نمیر اور شرجبیل بن ذی الکلاع وغیرہ بھی مارے گئے۔ ابن اشتر نے ابن زیاد اور دوسرے شامی سرداروں کے سر کاٹ کر فتح کی خوش خبری کے ساتھ مختار کے پاس کوفہ بھیج دیے جو اسی قصر الامارۃ میں رکھے گئے تھے۔ جہاں حضرت حسینؓ اور آپکے دوسرے ساتھیوں کے سر رکھے گئے تھے۔

مختار نے ابن زیاد اور عمرو بن سعد کے سر حضرت علیؓ بن حسینؓ زین العابدینؒ کی خدمت میں بھیج دیے جب سر پیش کیے گئے تو وہ سجدے میں گر پڑے اور کہا "اللہ تعالیٰ کا شکر ہے جس نے میرے لئے میرے دشمنوں سے میرا انتقام لے لیا۔"

اس طرح اللہ تعالیٰ نے ہر اس شخص کو ہلاک کر دیا جو شہادت کے وقت میدان جنگ میں موجود تھا اور اس نے حضرت حسینؓ کے خلاف لڑائی میں حصہ لیا تھا۔

☆......☆......☆

وحدت اسلامی کی اپیل

حضرت حسینؓ کی سیرت کے متعلق جو کچھ میں نے لکھا ہے وہ جذبات سے بالکل بالا ہو کر لکھا ہے۔ ان واقعات کی روشنی میں' جو صفحات ماسبق میں بیان کیے جا چکے ہیں' کوئی تاریخ دان بجا طور پر یہ پوچھ سکتا ہے کہ کیا اس زمانے میں' جب یہ دردناک حادثہ ظہور پذیر ہوا' کوئی بھی ایسا شخص نہ تھا جو حضرت حسینؓ کے موقف کو سمجھ کر اس آگ کو بجھا سکتا جو کربلا میں روشن ہوئی اور جس نے دیکھتے دیکھتے سارے عالم اسلام کو لپیٹ میں لے کر اسلامی وحدت کو بھسم کر کے رکھ دیا اور ابنائے اسلام میں تفرقے کی ایسی خلیج حائل کر دی جو روز بروز وسیع سے وسیع تر ہوتی جا رہی ہے؟

کیا اس وقت کوئی ایسا مرد میدان نہ تھا جو حق کی خاطر میدان میں نکلتا اور مظلوم کی مدافعت کرتا؟

کیا زمین زیروزبر ہو گئی تھی اور وہ لوگ جو ظلم پر کبھی صبر نہ کر سکتے اور معصیت کو کسی صورت میں برداشت نہ کر سکتے' بالکل معدوم ہو گئے تھے؟

کیا پوری اسلامی سرزمین میں اس مختصر سے گروہ کے سوا' جو حضرت حسینؓ کے ساتھ تھا' اور کوئی شخص ایسا نہ تھا جو اس بات کا اعلان کرتا کہ حق حضرت حسینؓ کے ساتھ ہے اور اسلام کی کشتی کے صحیح طور پر ناخدا بننے کے حق دار آپؓ ہی ہیں؟

لیکن مقدر یہی تھا کہ یہ سانحہ عظیمہ برپا ہو۔ اس واقعے میں مسلمانوں کے لئے

غور و فکر کی بہت سی راہیں کھلی ہیں۔ حضرت حسینؓ ایک مقصد اور ایک نظریہ سامنے رکھ کر جہاد کے لئے نکلے انہوں نے خلافت کا مطالبہ اس لئے کیا کہ آپ جانتے تھے' آپ یزید اور یزید کے علاوہ دوسرے لوگوں سے خلافت کے زیادہ حق دار ہیں اور اس منصب کو آپ ہی اچھی طرح نباہ سکتے ہیں آپؓ کے دل میں یہ خیال جاگزیں تھا کہ مسلمانوں کو تفرقہ اور فساد سے اگر کوئی شخصیت بچا سکتی ہے تو صرف آپؓ ہی کی ذات ہے اور وحدت اسلامیہ کے اسی جذبے کے تحت آپؓ نے یزید کے خلاف خروج کیا۔

میں نے یہ کتاب اس غرض سے لکھی ہے کہ پڑھنے والوں کے سامنے حضرت حسینؓ اور آپ کے عہد کی سچی تصویر کھینچ کر رکھ دوں' علاء کلمۃ الحق اور اسلام کے جھنڈے کو سربلند رکھنے کے لئے جو کوششیں کی جا رہی تھیں ان کا ذکر کروں اور حضرت حسینؓ کے دل میں اتحاد اسلامی کے لئے جو تڑپ موجود تھی اس پر لوگوں کی توجہ مبذول کراؤں۔

یہ حقیقت ہے کہ اگر حضرت حسینؓ یزید کے خلاف نہ بھی اٹھتے تو یہ ناممکن تھا کہ مسلمان یزید کی خلافت پر متفق ہو جاتے اور یک دل و یک زبان ہو کر اس کی اطاعت اختیار کر لیتے۔ لیکن اگر حضرت حسینؓ کو خلافت مل جاتی تو تمام مسلمان دل و جان سے آپ کی تائید کرتے اور ایک بار پھر اتحاد کا وہی منظر سامنے آ جاتا جو ابتدائی خلفاء کے عہد میں دنیا نے دیکھا' اسی طرز عمل کو دوبارہ قائم کرنے کے لئے حضرت حسینؓ گھر سے نکلے اور اسی اصول کی خاطر انہوں نے کربلا کے میدان میں جان دے دی۔ حضرت حسینؓ کی شہادت مسلمانوں کو یہ سبق دے رہی ہے کہ وہ بھی باہمی وحدت و اخوت کے لئے جانیں لڑا دیں اور آپس کے جھگڑوں میں پڑ کر قوت ضائع نہ کریں۔ دعا ہے کہ میری کتاب سے بھی یہ مقصد پورا ہونے میں مدد ملے اور مسلمانوں میں باہمی اتحاد کی سچی تڑپ پیدا ہو جائے!

☆......☆......☆

حسینؑ، حسینؑ ہیں

ڈاکٹر علی شریعتی ایک فرانسیسی عیسائی مفکر کے بارے میں لکھتے ہیں کہ وہ جناب مریمؑ پر لیکچر دے رہا تھا۔ اس نے کہا کہ دو ہزار سال سے مصور اور پینٹر ان کی تصویریں بنا رہے ہیں اور اپنے فن سے دنیا کے سامنے ان کی معصوم تصویریں پیش کر رہے ہیں۔ دو ہزار سال سے شعراء لاجواب قصیدے لکھ کر انہیں خراج تحسین پیش کر رہے ہیں مگر وہ کہتا ہے کہ اس ایک فقرے میں جناب مریمؑ کا تعارف ہے وہ ان دو ہزار سال کی کوششوں پر بھاری ہے اور وہ فقرہ یہ ہے "جناب مریمؑ حضرت مسیحؑ کی ماں تھیں۔" میں اگر یہ انداز بیان اختیار کرنا چاہتا تو جناب سیدہؑ کے بارے میں اقبال کے وہ اشعار آپ کے سامنے پیش کر سکتا تھا

مریمؑ از یک نسبت عیسیٰؑ عزیز

اور جناب زہرہؑ تو تین نسبتوں سے ہمارے لیے عزیز و محترم ہیں۔ ایک نسبت یہ ہے

نور چشم رحمتہ للعالمین

آں امام اوّلین و آخریں

اور دوسری نسبت یہ ہے کہ

مادرِ آں مرکزِ پرکارِ عشق

"پرکار" کا نقطہ جہاں سے شروع ہوتا ہے اور وہیں پر ختم ہوتا ہے۔ قربانی حسینؑ سے شروع ہوتی ہے۔ حسینؑ پر ختم ہوتی ہے۔

مادرِ آں مرکزِ پرکارِ عشق

مادرِ آں قافلہ سالارِ عشق

مگر میں نے دیکھا کہ نہیں حسینؑ یہاں کچھ نہیں ہے۔ اگر کہنا چاہتا تو یہی کہہ کر حسینؑ کا

تعارف کرا دیتا کہ وہ فاطمہؑ زہرا کے فرزند دلبند، وہ علیؑ مرتضٰی کے لختِ جگر ہیں، وہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نواسے ہیں مگر میں نے دیکھا حسینؑ یہی کچھ نہیں ہیں۔ پھر میں نے سوچا کہ یہ پیرایہ بیان اختیار کروں کہ حسینؑ، حسنؑ کے بھائی ہیں، عباسؑ کے بھائی اور زینبؑ کے بھائی ہیں مگر میں نے دیکھا کہ نہیں حسینؑ یہی کچھ نہیں اور پھر میں نے سوچا کہ یہ بیان کروں کہ حسینؑ علی اکبر کے باپ تھے، علی اصغر کے باپ تھے اور جناب سکینہ کے باپ تھے اور امام زین العابدینؑ کے باپ تھے مگر میں نے دیکھا کہ حسینؑ یہی کچھ نہیں دوستو سچ پوچھو تو حسینؑ حسینؑ ہیں۔

آفتاب آمد دلیل آفتاب

اور یہ لفظ یہ نام عرش معلٰی سے اترا ہے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وحی کا انتظار کیا تب یہ نام رکھا۔ حسینؑ احسان سے نکلا ہے۔ حسنؑ کی تصغیر وہ ذات جو حسن واحسان کا مرقع ہو حسینؑ ہے۔ آپ سے پہلے کوئی حسینؑ نہیں کہلایا۔ یہ تاج صرف ایک فرق اقدس کے لیے بنا تھا اور وہ حسینؑ کے سر پر رکھا گیا یہ حسین ہیں، انیس پھر یاد آ گئے۔

یہ حسن میں سردار حسینانِ زمن ہے
احسان سے مشتق ہے یہ تصغیرِ حسن ہے

کیا فضیلت بیان کروں، حسینؑ کا کیا تعارف کراؤں کہ ہر خطبہ جمعہ میں جس مسجد میں جاؤ یہ سنو گے اور یہ حدیث وہ ہے جو مشکوٰۃ میں ترمذی شریف میں ہے۔ خصائص کبرٰی میں ہے، مستدرک میں ہے، جامع صغیر میں ہے۔

الحسن والحسین سیدا شباب اہل الجنۃ

کہ حسنؑ و حسینؑ نوجوانانِ جنت کے سردار ہوں گے مگر اور ایک بات میری سمجھ میں نہ آ سکی۔ آپ عقدہ حل کر دیں۔ جنت میں تو سب نوجوان ہوں گے۔ وہاں کوئی بوڑھا بھی ہوگا؟ کہ اس کا سردار حسینؑ نہیں ہوگا۔ وہاں تو ہوں گے ہی نوجوان، سب نوجوان ہوں گے۔ تو نوجوانانِ جنت کے سردار حسینؑ ہیں تو سب جنتیوں کے سردار حسینؑ ہوں گے۔

***

فرمان رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دن کے ایک حصے میں گھر سے باہر تشریف لائے۔ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ تھا اور ہم دونوں بالکل خاموش تھے۔ نہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھ سے کوئی بات کی اور نہ میں کچھ بولنے کی جرأت کرسکا۔ یہاں تک کہ آپ بنی قینقاع کے بازار تک آئے پھر حضرت فاطمہؓ کے صحن میں آ کر بیٹھ گئے اور فرمایا: ''بچہ کہاں ہے؟ بچہ کہاں ہے؟'' لیکن حضرت فاطمہؓ نے اپنے بچے حسنؓ کو کچھ دیر کے لیے روک لیا تو میں سمجھ گیا کہ وہ انہیں نہلا دھلا رہی ہیں۔ پھر حضرت حسنؓ بڑی تیزی سے آئے اور آتے ہی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سینے سے لگ گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں پیار کیا اور فرمایا: ''اے اللہ! انہیں لوگوں کا محبوب بنا اور جو اِن سے محبت رکھے تو بھی اُس سے محبت کر۔'' (بخاری و مسلم)

حضرت ابوسعیدؓ راوی ہیں کہ خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ حسنؓ اور حسینؓ جوانانِ جنت کے سردار ہیں۔'' (ترمذی)

ایک عراقی نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے دریافت کیا کہ اگر کپڑے پر مچھر کا خون لگ جائے تو اس کا کیا حکم ہے؟ اس پر انہوں نے فرمایا: ''لوگو! دیکھو، یہ شخص مچھر کے خون کے بارے میں دریافت کرتا ہے؟ حالانکہ اس نے رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لخت جگر کو قتل کردیا ہے اور میں نے خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے سنا ہے کہ حسنؓ اور حسینؓ دونوں میری دنیا کی کھیتی اور نصیب ہیں۔'' (ترمذی)

حضرت یعلی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''میں حسینؓ سے ہوں اور حسینؓ مجھ سے ہے۔ حسینؓ کو دوست رکھنے والوں کو اللہ تعالیٰ دوست رکھتا ہے۔ وہ میرے بیٹوں میں سے ایک بیٹا ہے۔'' (ترمذی)

رام بابو سکسینہ کی ''تاریخِ ادبِ اُردو'' مترجمہ مرزا محمد عسکری (ص ۳۳۸) کے مطابق
''میر خورشید علی نفیسؔ لائق باپ کے لائق فرزند تھے اور اُنہی سے اصلاح سخن لیتے تھے۔ ان سے میر انیسؔ بلکہ پورے خاندان کا نام روشن ہوا۔ بہت خوش گو اور قابل تھے اور اپنے بعد ایک بڑا ذخیرہ مراثی و سلام و رباعیات وغیرہ کا چھوڑ گئے۔ ۱۳۱۸ھ مطابق ۱۹۰۱ء میں بعمر پچاس سال انتقال کیا۔''

پروفیسر حامد حسن قادری ''مختصر تاریخ مرثیہ گوئی'' میں لکھتے ہیں:
''نفیسؔ فن مرثیہ گوئی میں صحیح طور پر انیسؔ کے جانشین تھے۔ مرثیے، سلام، رباعیاں نہایت کثرت سے کہی ہیں اور حق یہ ہے کہ کہنے کا حق ادا کیا ہے۔''

میر نفیسؔ کے بارے میں یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ وہ زبان و بیان میں اپنے والد کا نقشِ ثانی تھے۔ زبان کی وہی صفائی جس کے بارے میں انیسؔ کہتے تھے: ''یہ فقیر کے گھرانے کی زبان ہے۔'' وہی روزمرہ و محاورہ اور وہی حسنِ ادا، وہی جذبات نگاری، وہی محاکات اور تصویر کشی۔ تقابل مقصود نہیں لیکن دونوں کا رنگ و آہنگ دیکھنے کی چیز ہے۔ میر انیسؔ ''نمودِ سحر'' میں کہتے ہیں:

طے کر چکا جو منزلِ شب کاروانِ صبح — ہونے لگا اُفق سے ہویدا نشانِ صبح
گردوں سے کوچ کرنے لگے اخترانِ صبح — ہر سو ہوئی بلند صدائے اذانِ صبح
پنہاں نظر سے روئے شب تار ہوگیا
عالم تمام مطلعِ انوار ہوگیا!

خورشید نے جو رُخ سے اُٹھائی نقابِ شب — در کھل گیا سحر کا ہوا بند بابِ شب
انجم کی فرد فرد سے لے کر حسابِ شب — دفتر کشائے صبح نے اُلٹی نقابِ شب
گردوں پہ رنگ چہرۂ مہتاب فق ہوا
سلطانِ شرق و غرب کا نظم و نسق ہوا

اورنفیسؔ یہی مضمون ''صبحِ کربلا'' کے عنوان سے یوں ادا کرتے ہیں:

جس دم ہوا سپہر بریں پر ظہورِ صبح — نکلا حجابِ شب سے رُخِ صافِ حورِ صبح
غالب ہوا ضیائے کواکب پہ نورِ صبح — پھیلی زمیں پہ روشنیِ شمعِ طورِ صبح
پنہاں ستارہ ہائے شبِ تار ہوگئے
طالعِ خدیوِ صبح کے بیدار ہو گئے

تھے محوِ حمد صبح نشینانِ ذی شعور — ہر اک کو تھا تلاوت و الفجر کا سرور
وہ دشتِ نینوا میں نوا سنجیِ طیور — ''یاہو'' کا غل کہیں تو کہیں شورِ ''یا غفور''
ہر دم تھا آشکار و نہاں کبریا کا ذکر
کرتے تھے اپنی اپنی زباں میں خدا کا ذکر

انیسؔ کی زبانی تلوار کی تعریف دیکھئے:

ابر ڈھالوں کا اُٹھا تیغِ دو پیکر چمکی — برق چھپتی ہے، وہ چمکی تو برابر چمکی
سوئے بستی کبھی کوندی، کبھی سر پر چمکی — کبھی انبوہ کے اندر کبھی باہر چمکی
جس طرف آئی وہ ناگن، اُسے ڈستے دیکھا
مینہ سروں کا صفِ دشمن میں برستے دیکھا

اور اب نفیسؔ سے ذوالفقار کی تعریف سنیئے:

گہ جانبِ یمیں کبھی سوئے یسار تھی — اس غول پر کبھی، کبھی اُس صف کے پار تھی
زخموں کے گل کھلے تھے، گلے کا یہ ہار تھی — یہ طرفہ فصل تھی کہ خزاں میں بہار تھی
ایسا پڑا تھا کھیت کہ سب فوج دنگ تھی
خوں سے زمینِ دشتِ بلا لالہ رنگ تھی

اللہ ری تیزی و بُرشِ تیغِ جانگزا — سائے سے جس کے ہوتے تھے اعدا کے دم فنا
وہ گھاٹ اور وہ کاٹ، وہ ناہیں وہ منہ صفا — دشمن جو اُس کی باڑ کو دیکھے دمِ وغا
چہرہ ستم شعار کا تصویرِ غم بنے!

اتنے شگاف ہوں کہ نگہ مو قلم بنے!

یہاں تک تو تھی منظر نگاری کی بات، اب دوسرے محاسنِ سخن کی طرف آیئے۔ ان میں بھی میر نفیس کسی سے پیچھے نظر نہیں آتے۔ سراپا نعت ومنقبت میں ایک الگ مقام رکھتے ہیں۔ نفیس کے ہاں اس کی بھی عمدہ مثالیں موجود ہیں۔ امامِ عالی مقام کے فرزندِ ارجمند علی اکبرؓ کا سراپا ملاحظہ ہو:

وہ حسن دل فروزِ علی اکبرؓ غیور — پر تو ہے جس کے رخ کا تجلی برقِ طور
اُن گیسوؤں میں چہرۂ تاباں کا ہے یہ نور — یا دوستوں میں اِک مہِ کامل کا ہے ظہور

سجدوں میں خم ہو صورتِ ابر و ادب ہے یہ
بہتر ہزار ماہ سے جو ہے وہ شب ہے یہ!

یہاں پرتورخ کی تجلی برق طور سے یا چہرۂ تاباں کی مہِ کامل سے تشبیہ کیا لطف دے رہی ہے۔ یہی نہیں تعریفِ چشم میں تشبیہ و استعارہ کا انداز ندرتِ بیان کے کتنے ہی پہلو لیے ہوئے ہے:

ہے نرگسِ بیاضِ جناں چشمِ سرخ فام — پتلی ہے نورِ مردمکِ دیدہ انام
کوثر کا وہ تو ہے مئے تسلیم کا یہ جام — ہے ایک جا سواد و بیاضِ صباح و شام

جانِ جہاں ہیں روشنی مشرقین ہے
یہ نورِ چشم فاطمہؑ کے نورِ عین ہے

اور دانتوں کی تشبیہات اور اُن میں استعارے کا جمال دیکھیے:

دنداں ہیں اخترِ فلک نزہت و جلال — ہمسر ہوں ان کے گوہر یکتا یہ کیا مجال

رشتے میں ہیں نبیؐ کے علیؑ کے یگانے ہیں
اک سُبحہ میں یہ صنعتِ صانع کے دانے ہیں

صنعتِ تلمیح بھی کلام میں ایک خاص حسن پیدا کرتی ہے۔ اس میں کسی گزشتہ واقعے، قول یا قرآن کی کسی آیت کا اشارتاً ذکر ہوتا ہے۔ میر انیس نے اس صنعت میں کمال کر دکھایا۔ یہ مصرعے اور شعر ملاحظہ ہوں:

آؤ کہ تم پہ پھونک دوں پڑھ کر وان یکاد

کس کے لیے اکملت لکم دینکم آیا　　اتممت علیکم کا ملا ہے کسے پایا

ہے کون مراد آیۂ لا اسئلکم سے

میر نفیسؔ کے ہاں بھی صنعتِ تلمیح کی مثالیں کچھ کم نہیں۔ اختصار کے پیشِ نظر صرف دو تین مثالوں پر اکتفا کروں گا۔ فرماتے ہیں:

جہاں میں حکم اقیموا الصلوۃ تھا جاری　　ہر اک پہ خوفِ خدائے انام تھا طاری

کھلا تھا گلشن سبحان ربی الاعلی　　فدا ریاضِ تشہد پہ تھا بہشت عُلا

رجوع محمدۃ رازق العباد میں تھے　　جو ذی حیات تھے وہ سب خدا کی یاد میں تھے

آخر میں ایک مرثیے ''حسینی لشکر میں جنگ کی تیاری'' کے چند بند سنتے چلیے:

وہ رنگِ دشت اور وہ اُس صبح کا سماں　　تاروں کے پھول رکھتا تھا دامن میں آسماں

صوتِ حسنؓ سے اکبرؓ مہ رو نے دی اذاں　　گرمی میں ساری رات کے جاگے ہوئے جواں

صحرا میں وہ قافلے وہ گلوں کی شمیم کے

پیغامِ خواب لاتے تھے جھونکے نسیم کے

آگے تھے سب صفوں کے امامِ فلک مآب　　گویا زمیں پہ چرخ سے اُترا تھا آفتاب

پھیلی تھی چار سو جو ضیائے رُخِ جناب　　دونی مصلیوں کے رُخوں پر تھی آب و تاب

پر تو سے فیضیاب تھا وہ بھی جو دور تھا

تا آسماں زمیں کے ستاروں کا نور تھا

درگاہِ حق میں جھکتے ہیں جن کے سرِ نیاز　　حقا کہ خلق میں وہی بندے ہیں سرفراز

عالم جو ہے اُسی پہ ہے ظاہر دلوں کے راز　　بندوں کے بگڑے کام بناتا ہے کارساز

بیگانگی جو سب سے ہوئی آشنا ملا

جب اپنی یاد بھول گئے تب خدا ملا

کیوں ان کی بندگی کا نہ غل ہو تہِ فلک　　جن کا نظیر تھا نہ ہوا کوئی آج تک

تسبیح کی صداؤں سے تھے وجد میں ملک سجدوں کے تھے نشاں کہ ستاروں کی تھی چمک
اک اک کو قربِ حق کی سعادت حصول تھی
لب اُن کے جس دعا میں ہلے وہ قبول تھی

نکلا فلک پہ نیر گیتی فروز جب سجدے سے شکرِ حق کے اُٹھے شاہِ تشنہ لب
خادم نے جا نماز لپیٹی بصد ادب آمادہ اس طرف ہوئے جب بندگانِ رب
از بسکہ حق کی یاد میں دل تھے لڑے ہوئے
غازی دعائیں پڑھتے ہوئے اُٹھ کھڑے ہوئے

کمریں کسیں سبھوں نے عمامے اُتار کے ڈیوڑھی پہ آئے زیورِ جنگی سنوار کے
تیور کچھ اور ہو گئے ہر خاکسار کے جنگل میں شیر آ گئے گویا کچھار کے
قبضے کے سر پہ رکھ کے کوئی چومنے لگا!
تلوار جسؑ نے ہاتھ میں لی جھومنے لگا

الغرض نفیسؔ کا کلام الفاظ کی شستگی، بندش کی چستی و پاکیزگی، زبان کی صحت و سلاست روزمرہ و محاورہ، تشبیہہ و استعارہ، منظرکشی و جذبات نگاری، فصاحت و بلاغت گویا ہر خوبی فن اور حسنِ تاثیر کا آئینہ دار ہے۔

الحسینؓ

حضرت امام حسینؓ بن علیؓ

زندگی اور شہادت